عیسائی عقائد کے بطلان پر ناقابلِ تردید شہادت!

انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں حضرت مسیح کی تین تصویریں،

جوانی، ادھیڑ عمر اور بڑھاپے کے نقوش

اس رسالہ کے ٹائیٹل پیج ۲ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین تصویریں شائع ہو رہی ہیں۔ یہ تینوں تصویریں انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کی تازہ ترین اشاعت کی ایپبیٹ ٹ زیر عنوان Jesus Christ سے ماخوذ ہیں۔ یہ تینوں تصاویر قدیم نصاریٰ کی مقدس امانت ہیں جسے عیسائیوں نے محفوظ رکھا ہے۔ دائیں جانب سے پہلی تصویر حضرت مسیح علیہ السلام کی جوانی کے نقوش ظاہر کرتی ہے۔ یہ تصویر لکڑی پر بنی ہوئی ویٹیکین لائبریری روم ملک اٹلی میں موجود ہے۔ دوسری تصویر حضرت مسیح کی ادھیڑ عمر کو دکھا رہی ہے۔ یہ تصویر چرچ آف سینٹ بارٹولومیو جینوا میں بحفاظت موجود ہے۔ تیسری تصویر سے بالکل بڑھاپے اور شیخوخت کی حالت نمایاں ہے۔ یہ تصویر سینٹ پیٹر روم میں محفوظ ہے۔ یہ تینوں تصویریں دوسری اور تیسری صدی مسیحی تک کے آثارِ قدیمہ میں موجود ہیں۔

اِن تصاویر سے قطعی طور پر یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ تیسری صدی مسیحی تک عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ادھیڑ عمر اور بڑھاپے کے بھی قائل تھے۔ اور عمر کے بڑھنے کے ساتھ ان کے نقوش پر بھی اثر کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اس نظریہ سے موجودہ عیسائیوں کا یہ خیال بالکل باطل ہو جاتا ہے کہ حضرت مسیح تینتیس ۳۳ سال کی عمر میں صلیب پر مر کر پھر زندہ ہو گئے اور آسمان پر جا بیٹھے۔ یہ عکس منہ بولتی تصویریں ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام پر جوانی کے بعد کہولت کا زمانہ آیا، پھر بڑھاپا آیا اور پھر سنتِ انبیاء کے مطابق آپ وفات پا گئے۔

قرآن مجید نے آیت وَ اٰوَیْنٰهُمَاۤ اِلٰی رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیْنٍ (المومنون) میں ان کے آخری مستقر کا ذکر فرمایا ہے۔ جو سرزمینِ کشمیر ہے۔ چنانچہ محلہ خانیار سری نگر کشمیر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر موجود ہے۔

ظاہر ہے کہ اِس صورتِ حال میں حضرت مسیح کی صلیبی موت کو بنیاد بنا کر کفارہ کا عقیدہ گھڑنا سراسر غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس زمانہ میں صلیبی عقیدہ کے بطلان پر خود عیسائیوں کے ہاتھوں سامان فراہم ہو رہے ہیں ٭

ضروری اطلاع جن احباب کا چندہ ختم ہے یا ذمہ بقایا ہے ان کے چٹ پر سرخ نشان کر دیا گیا ہے لہٰذا احباب فوراً اپنے بقایا ارسال فرما دیں ورنہ آئندہ شمارہ ان کے نام وی پی کیا جائے گا۔ (مینیجر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفرقان

جلد ۴ | بابت ماہ ستمبر ۱۹۵۴ء | نمبر ۹

فہرست مضامین

نمبر شمار	نام عنوان	نام مضمون نگار	نمبر صفحہ
۱	عیسائیوں کے عقیدۂ کفارہ کے بطلان پر ناقابل تردید شہادت (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں حضرت مسیح علیہ السلام کی تین تصویریں)	ایڈیٹر	ٹائیٹل ۲ و ۳
۲	معاہدات کی پابندی اور امنِ عالم (قرآنی تعلیم کی برتری)	"	۳
۳	قرآنی مشکلات کا حل ۱۳ حضرت ایوبؑ کا ذکر قرآن مجید میں	"	۵
۴	ایک پادری صاحب کے دو سوال اور انکے جواب	"	۷
۵	ہندوستان میں مذہبی آزادی	جناب صوفی مطیع الرحمٰن صاحب ایم۔اے	۹
۶	ایک قابل غور فطرتی شہادت	ادارہ	۱۲
۷	مقام سیدنا المصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم (فارسی نظم)	جناب قاضی محمد یوسف صاحب پشاور	۱۳
۸	شذرات:- (۱) گائے کے نام پر فتنہ و فساد (۲) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ پر زبانِ طعن کیوں؟ (۳) علماء اور مسلمان کی تعریف (۴) اسلامی جماعت میں کیسے لوگ شامل ہیں؟ (۴) پیغمبروں کی آمد کا سلسلہ کیوں بند ہو گیا؟	ایڈیٹر	۱۴
۹	معبودِ حقیقی کے اسماء ذات اللہ کے متعلق مستشرقین کے نظریات کا رد	جناب شیخ عبدالقادر صاحب لائل پور	۱۷
۱۰	اردو زبان میں عربی کے الفاظ	جناب ملک مبارک احمد صاحب فاضل دمشق	۲۵
۱۱	یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ (یعنی وہ اصولی دلائل جنکی رُو سے یتیم پوتے کو ورثہ ملنا چاہیئے)	جناب چودھری احمد الدین صاحب پلیڈر گجرات	۲۹
۱۲	وید منتر اور ان کے رشی	ایڈیٹر	۳۵
۱۳	البیانات قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ مختصر اور مفید تفسیری حواشی کے ساتھ	ابو العطاء جالندھری	۳۷

(طابع و ناشر ابو العطاء اللہ دتا جالندھری نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الفرقان ربوہ ضلع جھنگ سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۴ الفرقان - بابت ستمبر سنہ ۱۹۵۴ء نمبر ۹

معاہدات کی پابندی اور امنِ عالم

قرآن مجید کی تعلیم کی برتری

نئی ایجادات کی وجہ سے مُلکوں اور قوموں کے تعلقات پہلے کی نسبت بہتر بھی ہو سکتے ہیں اور بدتر بھی - ان تعلقات کو بہتر بنانے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ مختلف ممالک اور مختلف قومیں ایک دوسرے کے ساتھ معاہدات کے رشتے میں منسلک ہو جائیں - یہ معاہدات ایسے ہوں جن میں تمام انسانوں کی آزادی اور حُریت کو بُنیادی طور پر تسلیم کیا جائے - قوموں اور مُلکوں کو اپنے اپنے حدود میں اپنی بہتری اور بھلائی کے لئے ہر اقدام کی ضمانت دی گئی ہو - کوئی قوم اپنی کثرت، اپنے ساز و سامان اور اپنے اسلحہ وغیرہ کی وجہ سے دوسری قوم کو ماتحت رکھنے کا اختیار نہ رکھے - اس قسم کے واضح اور غیر مبہم معاہدات ہی انسانوں میں امن و سلامتی کی لہر دوڑا سکتے ہیں اور اس سے ان کی ترقی اور عروج کے سامان پیدا ہو سکتے ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ موجودہ خطرناک اور مہلک ترین ایجادات انسانیت کی تباہی کا ایک کھلا اعلان ہیں -

معاہدات کرتے وقت انتہائی صاف گوئی اور وضاحت سے کام لینا چاہیئے - ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ الفاظ کچھ اور بولے جائیں اور دل میں کچھ اور ہو الفاظ کے ہاتھ پیچ سے کُلّی اجتناب ضروری ہے - قرآنی اصطلاح میں یوں کہنا چاہیئے کہ قول سدید اختیار کرنا چاہیئے اور پھر معاہدہ اس نیت اور عزم سے کرنا چاہیئے کہ اسے پوری طرح نبھایا جائے - وہ قومیں جو معاہدات کو کاغذ کا پرزہ خیال کرتی ہیں اور ذرا سے لالچ یا خطرہ کے وقت اسے چاک کر دیتی ہیں وہ کوئی پائیدار عزت اور دائمی عروج حاصل نہیں کر سکتیں - ان پر کسی قوم کو بھی اعتبار نہیں ہوتا - وقت آنے پر دوسرے بھی ان کو دھوکا دے جاتے ہیں - بُنیادی طور پر درست اور راست اقدام یہی ہے کہ افراد اور قومیں صفائی سے معاہدات کریں اور پوری مضبوطی اور تمام حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی پابندی کریں - آج دُنیا کا امن صرف اسی بُنیاد پر قائم ہو سکتا ہے کہ تمام قومیں مضبوط اور پختہ معاہدات کے ذریعہ ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہو جائیں - اور ان معاہدات کی حقیقی اور پوری پابندی کریں - معاہدات کی پابندی نہ صرف اخلاقی ارتقاء کے لئے ضروری ہے، تمدنی ترقی کا ذریعہ ہے، بلکہ دُنیا کا امن و امان بھی معاہدات کی پابندی پر ہی موقوف ہے -

قرآن مجید اپنی تمام تعلیمات میں یگانہ و فرد ہے کسی اور

کتاب میں اس جیسی روحانی، اخلاقی اور تمدنی تعلیم موجود نہیں ہے۔ معاہدات کے بارے میں بھی قرآن مجید نے جو ہدایات دی ہیں ان کی مثال کسی اور جگہ تلاش کرنا عبث ہے۔ وید ہوں یا توراۃ و انجیل ہو، ژند وستا ہو یا زبور ہو، اس جگہ قرآنی تعلیم کا مثیل مفقود ہے۔ بعض الہامی کتابوں میں تو معاہدات کی پابندی کا ذکر تک موجود نہیں اور بعض میں اس بارے میں دھندلے سے اشارات پائے جاتے ہیں مگر قرآن مجید نے معاہدات کے متعلق جامع اور مکمل تعلیم دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

(الف) وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا

(بنی اسرائیل: ۳۵) ترجمہ: اے مسلمانو! تم معاہدات کی پوری پوری پابندی کرو کیونکہ معاہدوں کے بارے میں تم اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی جوابدہ ہو۔

(ب) اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۔ (انفال: ۵۵-۵۶) وہ لوگ بدترین خلق ہیں جو ایمان کی بجائے کفر اختیار کرتے ہیں جن سے تم نے بار بار معاہدات کئے مگر انہوں نے ہر مرتبہ معاہدہ شکنی کی اور خدا ترسی سے کام نہ لیا۔

(ج) وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۔ (النحل: ۹۲-۹۳)

کہ جب اللہ تعالیٰ سے عہد باندھو تو اُسے بھی پورا کرو اور جب انسانوں سے معاہدات کرو تو ان کو بھی مت توڑو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تم نے اپنے اوپر نگران مقرر کیا ہے اور خدا تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے۔ اس عورت کی طرح مت بنو جس نے اپنے سوت کو کاتنے کے بعد ریزہ ریزہ کر دیا۔ تم لوگ قسموں اور معاہدات کو باہمی فریب کاری کا ذریعہ بناتے ہو اور چاہتے ہو کہ ایک قوم دوسری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر زیادہ ترقی کر جائے۔ دُنیا تو تمہاری آزمائش گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اختلافات کو قیامت کے دن کھول کر بیان کر دے گا۔

(د) وَلَا تَتَّخِذُوْا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا

(النحل: ۹۴) کہ تم باہمی معاہدات کو فریب کاری کا ذریعہ مت بناؤ ورنہ تمہاری ساکھ جاتی رہیگی۔ اور تم جادۂ صواب سے منحرف ہو جاؤ گے۔

(ھ) اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ (الرعد: ۲۰) مومن وہ ہیں جو خدا کے عہد کو بھی پورا کرتے ہیں اور انسانوں سے کئے ہوئے معاہدات کو بھی نہیں توڑتے۔

(و) وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۔ (المومنون: ۸) اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو امانتوں اور معاہدات کی پوری پوری حفاظت کرتے ہیں۔

(ز) وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ وَّاِنْ وَّجَدْنَا اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ۔ (الاعراف: ۱۰۲) موجودہ زمانہ کے اکثر لوگ عہد کے پابند نہیں، انکی اکثریت عہد شکن ہے۔

ان آیات سے اصولی طور پر عیاں ہے کہ قرآن مجید معاہدات کی پابندی پر کس قدر زور دیتا ہے۔ قرآن مجید کے نزدیک **انسانیت کا شرف، قوموں کے عروج کا راز،** اور مومنوں کے **ایمان کی نشانی** یہی ہے کہ وہ معاہدات کی پابندی کرتے ہیں اور معاہدہ شکنی سے کلی اجتناب اختیار کرتے ہیں۔

قرآن کریم جس حد تک معاہدات کے احترام کی تلقین فرماتا ہے وہ مندرجہ ذیل چار آیات سے بالکل عیاں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

(۱) اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ۔

(التوبہ: ۴) کہ جن مشرکوں سے تم نے معاہدات کر رکھے ہیں اور انہوں نے اس کی پابندی کی ہے اور تمہارے خلاف تمہارے دشمنوں کی مدد نہیں کی تم انکے معاہدات کو ان کی مدت تک پورا کرتے چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ یقیناً متقیوں سے پیار کرتا ہے۔

(۲) وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ۔ (انفال: ۵۸) کہ اگر کسی معاہد قوم کی طرف سے عہد شکنی کی صورت پیدا ہو رہی ہو تو تمہیں صاف علی الاعلان بتا کر معاہدہ کو ختم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں سے پیار نہیں کرتا۔

(۳) اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ۔ (النساء: ۹۰) جو جنگجو مجرم ایسی قوم کے پاس چلے جائیں جن سے تمہارا معاہدہ ہے تم ان کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔

(۴) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔

(الانفال: ۷۲) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے اموال و نفوس کے ذریعہ راہ خدا میں جہاد کیا۔ نیز وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین کو پناہ دی اور دین کی نصرت کی وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ ہاں جو لوگ ایمان لائے مگر انہوں نے ہجرت نہ کی تم ان کی مدد کے اس وقت تک ذمہ دار نہ ہوگے جب تک وہ ہجرت نہ کریں۔ البتہ اگر وہ دین کے باعث مظلوم ہو کر طالب مدد ہوں **تو ان کی مدد کرنا واجب ہے لیکن ان دینی مظلوم مسلمانوں کی مدد بھی تم ان لوگوں کے خلاف نہیں کر سکتے جن سے تمہارا معاہدہ قائم ہے۔** اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے۔"

ان آیات سے ظاہر ہے کہ معاہدات کی پابندی کو اسلام نے مذہبی تعلقات اور اعتقادی اتحاد سے بھی بالا مقام دیا ہے۔ مشرک جب تک معاہدہ کے پابند ہیں اور اسے نہ توڑیں مسلمانوں پر بھی پابندی لازم ہے۔ اگر معاہد قوم عہد شکنی کرے تو تم باقاعدہ طور پر کھلے بندوں معاہدہ کو منسوخ قرار دے سکتے ہو۔ مگر خفیہ طور پر اس کی خلاف ورزی قرآن کے رو سے خیانت مجرمانہ ہے۔ مسلمانوں کے کوئی دشمن بھی اگر

مشکلاتِ قرآنی کا حل

حضرت ایوبؑ کا ذکر قرآن مجید میں !

سوال :- سورۂ صٓ کی آیاتِ ذیل کا مطلب اور تفسیر درج کریں :-

"وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ
رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ
بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ . ارْكُضْ بِرِجْلِكَ
هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ .
وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ
مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي
الْأَلْبَابِ . وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا
فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ ۗ إِنَّا
وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ
أَوَّابٌ "

الجواب :- موقع و محل - ان آیات کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے پہلے اس بات پر تدبر کرنا چاہیئے کہ یہ آیات کس موقع پر اور کس غرض سے بیان ہوئی ہیں ؟ سورۂ صٓ مکی سورۃ ہے جس کے شروع میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کے رویہ کو غلط قرار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کے مخالف اسی طرح معاندانہ روش اختیار کرتے رہے ہیں مگر آخر کار نبی غالب آتے رہے ہیں اور ان کے مخالف ناکام ہوتے رہے ہیں ۔ قوم نوحؑ، عاد، فرعون، ثمود، قوم لوطؑ اور اصحاب الایکہ کا نام اس سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ (آیت ۱۷) کہ آپ ان مکذبین کی اذیتوں اور بدزبانیوں پر صبر کریں ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور مخالفین پر اتمام حجت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بعد ازاں نو نبیوں کا ذکر فرمایا ہے ۔ حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت ایوبؑ کا تفصیل سے ذکر فرمایا اور حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت الیسعؑ اور حضرت ذو الکفلؑ کا اجمالاً ذکر کیا ہے ۔ حضرت ایوبؑ کا جو ذکر اس جگہ بیان ہوا ہے اسکے آخر میں فرمایا ہے ۔ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ (آیت ۴۴) کہ وہ بڑے صابر تھے، بڑے اچھے بندے تھے، بار بار آستانہ الوہیت پر جھکنے والے تھے ۔ اس آیت کو سترھویں آیت اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ سے ملا کر دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت ایوبؑ والی آیات میں مخالفین کی شرارتوں اور حضرت ایوبؑ کے صبر و حوصلہ مندی کا ذکر ہے

ترجمہ :- ان آیات کا سلیس ترجمہ مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں یوں ہوگا ۔

"ہمارے بندے ایوبؑ کو یاد رکھیں جب اس نے اپنے رب سے زاری سے دعا کی تھی کہ مخالفین، نمائندگان شیطان، نے مجھے سخت دکھ اور تکلیف پہنچائی ہے ۔ ہم نے کہا اے ایوب ! تو پوری تیز رفتاری سے اپنے قدم اُٹھائے جا عنقریب الٰہی امارت کے دھونے اور سکون پہنچانے اور روحانیات تقسیم کرنے کا موقع پیدا ہونے والا ہے ۔ پھر ہم نے بطور رحمت حضرت ایوبؑ کو ان کے متعلقین اور دوسرے لوگ بخشے ۔ وہ سب ان کے ساتھ ہو گئے ۔ اسمیں عقلمندوں کیلئے نصیحت کے سامان ہیں ۔ اے ایوبؑ ! تو اپنے ہاتھ میں کمزور اور پراگندہ لوگوں اور تہی پود کو لے اور انکی تنظیم و تربیت میں پوری توجہ سے منہمک ہو جا ۔ اور بوڑھے منکرین کے پیچھے پڑ کر اپنے آپکو بلا وجہ مشقت میں مبتلا نہ کر ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے

ایوبؑ کو مستقل مزاج اور صابر پایا۔ وہ خوب اطاعت گزار تھا اور ہمیشہ ہماری طرف مائل رہتا تھا۔"

مطلب و تفسیر:۔ اسرائیلی افسانوں اور عجوبہ پسند مفسرین کی اختراعات کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو قرآنی بیان خود واضح اور روشن ہے۔ ہم نے اوپر کے ترجمہ میں الشیطان سے مخالفین مراد لئے ہیں۔ لغت میں لکھا ہے۔ الشیطان: کل عاتٍ متمرد من انس او جن او دابّۃ ومنہ شیاطین العرب (المنجد) نُصْبٌ اور عَذَابٌ کے معنے دُکھ اور تکلیف کے ہیں (القاموس) ضِغْثٌ کے معنوں میں لکھا ہے: "قبضۃ حشیش یختلط فیہا الرطب بالیابس" (المنجد) کہ نرم گھاس کا گٹھا جس میں تر اور خشک تنکے ملے جلے ہوں۔ اس لفظ کے دیگر استعمالات کو بھی مدنظر رکھا جائے تو آیاتِ بالا میں حضرت ایوبؑ کو "خُذْ بیدک ضِغثاً" کہنے کا یہی مطلب ہے کہ منتشر اور کمزور سمجھے جانے والوں اور نوجوانوں اور نئی پود کی تربیت اور تنظیم کو اپنے ہاتھ میں لیں اور ان کے ذریعے تبلیغ کریں۔ یہی کامیابی کا طریقہ ہے۔ پرانے زنگ خوردہ ذہنوں کو چلا دینے کی عبث کوشش نہ کریں، اس طرح آپ کی طاقت ضائع ہو جائیگی۔ الحنث کے معنے "المیل من باطل الی حق وعکسہ" (القاموس) بھی ہیں۔

حضرت ایوبؑ حضرت مسیحؑ سے قریباً ڈیڑھ ہزار برس پیشتر پیدا ہوئے تھے۔ بائیبل میں "ایوب کی کتاب" بیالیس ابواب پر مشتمل ہے۔ اسرائیلی تحریفات اور افسانوی انداز کو علیحدہ کر دیا جائے تو یہ ابواب حضرت ایوبؑ کے "انا وجدناہ صابراً نعم العبد انہٗ اوّاب" کی واضح تصدیق ہیں۔

ہماری ذکر کردہ تفسیر آیاتِ بالا کی تائید قرآن مجید کا سیاق و سباق بھی کرتا ہے۔ حضرت ایوبؑ کا مقامِ نبوت و رسالت بھی اسی تفسیر کا مقتضی ہے۔ خود یہ آیات بھی اسی تفسیر کی مصدق ہیں۔ بائیبل سے بھی اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ایوبؑ اپنے رشتہ داروں اور قوم کی دشمنی اور عدم ایمان کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"اس نے میرے بھائیوں کو مجھ سے دُور کیا ہے اور میرے ہمدم مجھ سے بیگانہ ہوئے ہیں۔ میرے رشتہ دار مجھ سے جُدا ہو گئے اور میرے جان پہچان مجھے بھول گئے..... میرے ہمراز دوست مجھ سے نفرت رکھتے ہیں اور وہ جنہیں میں پیار کرتا تھا میرے مخالف ہو گئے۔" (ایوب $\frac{19}{13-19}$)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کی زاری کو سُنا اور انکے مخالفین کو بھی ان کا ہمنوا بنا دیا۔ فرمایا "ووھبنا لہٗ اھلہٗ ومثلھم معھم"۔ بائیبل میں لکھا ہے:۔

"اور خداوند نے جس وقت کہ ایوبؑ نے اپنے دوستوں کے لئے دُعا مانگی ایوبؑ کی گرفتاری کو مبدل کیا اور خداوند نے ایوبؑ کو آگے کی نسبت سے دونی دولت عنایت کی اور اسکے سب بھائی اور سب بہنیں اور اسکے اگلے سب جان پہچان اسکے پاس آئے اور اس کے گھر میں انہوں نے اسکے ساتھ کھانا کھایا۔" (ایوب $\frac{42}{10-11}$)

یہ حضرت ایوبؑ کی سچی کہانی ہے۔ اسکے علاوہ جذام اور ان کا بیوی کے خلاف قسم کھانے کا افسانہ محض اسرائیلی قصے ہیں جن سے قرآن مجید کو کوئی تعلق نہیں۔ صاف اور سیدھی بات ہے کہ حضرت ایوبؑ نبی تھے۔ لوگوں نے ان کی مخالفت کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کی دُعا کو سُنا۔ انکے دشمن ناکام ہوئے۔ لوگ بکثرت حضرت ایوبؑ پر ایمان لائے۔ انکے صبر کا میٹھا پھل اللہ نے انکو دیا۔ یہی حالات ایک پہلو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش آنیوالے تھے اسی لئے حضرت ایوبؑ کا واقعہ سنایا گیا ہے۔

چار سوال ایک بھائی کے چار سوال ہمیں موصول ہوئے ہیں۔ ان کے جواب اگلے نمبر میں ملاحظہ فرمائیں! +

ایک پادری صاحب کے دو استدلال اور انکے جواب

کیا اسلام دین نہیں؟

مسٹر بارُوک لکھتے ہیں :-

"دین کے لئے جن تین حقیقتوں کی ضرورت ہوتی ہے یعنی خدا، رسُول، کلامِ حق وہ تینوں ہی از روئے قرآن مجید موجودہ اسلام میں نہیں پائے جاتے اسلئے قرآن مجید صرف خود ہی اسلام کے دین ہونے کا انکار کرتا ہے بلکہ ہر فردِ بشر کو تنبیہ کرتا ہے کہ کوئی اس کی بیان کردہ حقیقتوں کے خلاف اسلام کو دین ماننے کا گناہ نہ کرے۔ چونکہ اسلام کوئی دین ہی نہیں اس لئے اس میں نجات کا خواب دیکھنا نوعِ انسانی کے لئے گمراہی ہے۔"

استدلال اور واقفیت کے لحاظ سے جب پڑھے لکھے عیسائیوں کا یہ حال ہے تو عوام عیسائیوں کی حالت کتنی قابلِ رحم ہوگی۔ ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ یہ صاحب آیاتِ قرآنی سے استدلال کرتے ہیں کہ اسلام کوئی دین نہیں اور اسلام میں خدا، رسول اور کلامِ حق کا ذکر تک موجود نہیں۔ آپ ہی بتلائیں کہ آیاتِ صریحہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران : ۱۹) کہ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے" وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ (آل عمران : ۸۵) کہ جو شخص اسلام کے سوا کسی اور جگہ دین کی تلاش کرے گا اس کی سعی مقبول نہیں ہوگی اور اسے آخرت میں خسارہ اٹھانا پڑے گا" وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ : ۴) اے مسلمانو! میں نے تمہارے لئے اسلام کو کامل دین پسند کیا ہے" کے باوجود جو شخص یہ کہے کہ قرآن مجید تو اسلام کے دین ہونے سے انکار کرتا ہے اسے کیا جواب دیا جا سکتا ہے؟

فَسْئَلْ بِہٖ خَبِیْرًا سے کیا مراد ہے؟

مسٹر ڈبلیو بارُوک لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں سورہ الفرقان : ۵۹ میں فَسْئَلْ بِہٖ خَبِیْرًا میں" آنحضرتؐ کو حکم دیا گیا کہ پوچھ اس سے جو خبر رکھتا ہو" پادری صاحب کا خیال ہے کہ اس جگہ خبیرا سے مراد آنحضرتؐ کے علاوہ اور لوگ (عیسائی) ہیں جو صفاتِ الٰہیہ کے واقف ہیں۔ ان سے پوچھنے کا آنحضرتؐ کو حکم دیا گیا ہے۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ پادری صاحب کی ذہنی اختراع قرآن مجید کے رُو سے درست نہیں ٹھہرتی آئیے پہلے اس آیت کے سیاق و سباق پر ایک نظر ڈالیں۔ فرمایا :-

وَتَوَکَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِہٖ وَکَفٰی بِہٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِہٖ خَبِیْرًا۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِہٖ خَبِیْرًا۔ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَھُمْ نُفُوْرًا۔

(الفرقان : ۵۸ - ۶۰)

ترجمہ :- اس زندہ خدا پر توکل کر جو کبھی مرتا نہیں۔ اسکی حمد و تسبیح کر۔ وہ اپنے بندوں کی کمزوریوں سے خوب آگاہ ہے۔ جس نے آسمانوں، زمین اور تمام درمیانی چیزوں کو چھ اوقات میں پیدا فرمایا۔ پھر وہ عرش پر قائم ہے۔ وہ رحمٰن خدا ہے پس تو کائنات کے ازول سے

واقف خدا سے ہی سوال کر۔ جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ خدائے رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہے! کیا ہم اس خدا کو سجدہ کریں جسکے متعلق تُو ہمیں حکم دیتا ہے۔ یہ بات ان کو نفرت میں زیادہ کردیتی ہے۔"

زیرِنظر آیت فسئل به خبیراً سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے خبیر ہونے کا ذکر صراحتاً موجود ہے۔ پس اس جگہ بھی اللہ تعالیٰ کو ہی خبیر کہا گیا ہے اور اسی سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسکے غیر سے سوال کرنے سے روکا گیا ہے۔ سوال کرنیکے دو معنے ہوتے ہیں (۱) کسی سے کچھ مانگنا (۲) کسی سے کوئی بات دریافت کرنا۔ اسلام نے غیراللہ سے مانگنے سے منع کیا ہے۔ چونکہ اس جگہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے زندہ خالق خدا ہونے کا بیان تھا اسلئے حکم دیا گیا کہ وہی تمہارا حاجت روا ہے، وہی تمہارے حالات کو جانتا ہے اسلئے اسی سے ہر چیز مانگو۔ فسئل به خبیراً۔ دوسرے معنے یہ ہیں کہ (الف) چونکہ کائنات کا پیدا کرنیوالا اور اس پر حکومت کرنیوالا صرف خدائے رحمٰن ہی ہے اسلئے ان چیزوں کا حقیقی علم صرف اسی کو ہوسکتا ہے۔ لہذا کائنات کے راز اللہ تعالیٰ سے ہی دریافت کرنے چاہئیں۔ (ب) ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ یہ سب چیزیں تو مخلوق ہیں ان کی پرستش نہ کرنا بلکہ خدا کو پانے کے لئے خود اسی سے راستہ طلب کرنا۔ دوسری جگہ فرمایا۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۶۹) جو لوگ مخلصانہ طور پر ہم تک پہنچنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے کوشش کرتے ہیں ہم ان پر اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔"

بہرحال آیت قرآنی فسئل به خبیراً کے سیاق وسباق اور موقع کے لحاظ سے وہ مفہوم پیدا نہیں ہوتا جو مسٹر باروک پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

اس جگہ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ پادریوں کے نزدیک فسئل به خبیراً کس کا قول ہے اور اس کا کون مخاطب ہے؟

اگر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جیسا کہ پادری کہتے ہیں تو پھر آپ نے دوسرے لوگوں سے کہا ہے کہ تم لوگ کسی جاننے والے سے دریافت کرلو۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں خبیر سے مراد آپ خود ہی ہونگے اور اگر پادری صاحبان یہ تسلیم کرلیں کہ یہ خدا تعالیٰ کا قول ہے اور اسمیں اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا ہے تو پھر قرآن مجید کا الہامی کلام ہونا مسلّم ہوا اور اس صورت میں خبیر سے مراد خود اللہ تعالیٰ ہے۔

ایک تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عامۃ الناس کے ہر ہر فرد کو مخاطب فرمایا ہے اور یہ قرآن مجید کا عام اسلوبِ بیان ہے تب بھی مسٹر باروک کا استدلال نادرست ہے ؏

"معاہدات کی پابندی اور امنِ عالم"

(بقیہ از صـ)

معاہدہ کرنے والے کفار سے جا ملیں تو مسلمان اُن دشمنوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر مسلمان مظلوم ہیں اور ہمارے دینی بھائی ہونے کے باعث ہم سے مدد و نصرت کے طالب ہوتے ہیں لیکن اُن پر ظلم کرنے والی قوم کا ہم سے معاہدہ ہے تو ہم معاہدہ کی وجہ سے اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں کی مدد کرنے سے بھی قاصر ہیں۔

معاہدات کی پابندی کا یہ وہ مقام ہے جسے قرآن مجید اپنے پیروؤں کے لئے مقرر کرتا ہے۔ اگر آج دُنیا کی قومیں معاہدات کی قدر و قیمت کو پہچانیں اور ان کی پابندی کریں تو دُنیا آئندہ جنگوں سے بچ کر امن و رفاہیت کا گہوارہ بن سکتی ہے ورنہ ایجادات کی کثرت اور اسلحہ کی بے انداز افراط تاریخ میں ایک مہلک ترین جنگ کا اضافہ کرنے والی ہے ؏

ہندوستان میں مذہبی آزادی

(از جناب صوفی مطیع الرحمٰن صاحب ایم۔ اے ایڈیٹر رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی)

ہندو ازم ایک غیر تبلیغی مذہب ہے مسئلہ تناسخ ہندو مذہب کا ایک نمایاں اصول ہے۔ شدید قواعد کی رُو سے ایک ہندو ذات پات کی قیود کے اندر جکڑا رہتا ہے۔ یہ بندھن اس جنم میں تو ٹوٹ نہیں سکتے۔ ہندوؤں کی یہ راسخ العقیدگی اجازت نہیں دیتی کہ مرتد اشخاص کو پھر سے اپنے مذہب میں لوٹایا جائے۔ کوئی راسخ العقیدہ ہندو مبلغ نہیں ہو سکتا۔

تبلیغی رُوح ابتدا سے ہی اسلام[1] اور عیسائیت کا نمایاں وصف رہا ہے۔ ان دونو مذاہب اور ہندو ازم میں بیّن فرق ہے۔ تبلیغی مساعی کے پس پشت جو مقصد ہے وہ یہی ہے کہ دونو ہی اس مضبوط عقیدہ پر قائم ہیں کہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ رسولوں کے ذریعہ سلسلۂ الہام جاری رہتا ہے مسلمان اور عیسائی یہ مانتے ہیں کہ ان کے مذاہب ایک ابدی حقانیت کے حامل ہیں اور یہ خلق اللہ کو ترقی کرنے کے لئے ابدی نور سے رہنمائی کر سکتے ہیں اپنی تبلیغی مساعی میں وہ اس بات سے سرشار نظر آتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی بندگی اور خدمتِ خلق کریں گے۔

مندرجہ بالا ذہنیت کے پیشِ نظر ہر مہذب گورنمنٹ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ تمام مذاہب کے پرستاروں کو جو اُن کے جھنڈے تلے بستے ہوں مکمّل طور پر مذہبی آزادی دے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ ہر مُلک کی رعایا کو اُس کی گورنمنٹ کی حمایت حاصل ہو تا وہ اپنے رسم و رواج کے مطابق اپنے مذہب پر عامل ہو سکے یا یہ کہ حسبِ صدق دل سے اپنے پسند کردہ مذہب کی حقانیت کے قائل ہو جائیں تو اس مذہب میں داخل ہو سکیں۔ نیز اس بات کا یقین دلایا جائے کہ وہ اپنے طریق پر خاص مذہبی زندگی بسر کر سکیں۔

جس طرح اُوپر بیان ہوا ہے اسی کے مطابق اسلام نے ملکی آزادی دی ہوئی ہے۔ قرآن مجید نے یہ اصول مقرر فرمائے ہیں اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی مثال سے ثابت کر دکھلایا ہے "لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ" یعنی تم اپنے مذہب پر قائم رہو اور میرے لئے میرا مذہب کافی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے راستے کی طرف بلاؤ عقلمندی سے اور نرمی سے اور دلیل سے۔ اور نرم طریق اختیار کرو۔

مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو ایک سند عطا فرمائی تھی جس کی رُو سے

(۱) مسلم اور یہود کو مکمل آزادی حاصل تھی۔

(۲) دیوانی اور فوجداری مقدمات جو مدینہ میں ہوتے وہ ہر فرد کے مذہب کے مطابق طے کئے جاتے تھے۔

تاریخ بیان کرتی ہے کہ کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں نجران کے عیسائیوں سے مذہبی گفتگو کی اور ان کو اجازت دی کہ وہ اپنی مذہبی رسوم مسجد نبوی میں ادا کر سکیں۔ اس دن سے لے کر آج تک جہاں بھی حقیقی اسلام پہنچا ہے زبردستی مذہب تبدیل کرنا اور عدمِ رواداری غائب ہو گئی ہے۔ اُوپر بیان کردہ اصولوں پر عمل ہندوستان میں مسلم حکومت پیش کرتی ہے مسلمانوں کی قریباً ایک ہزار برس

[1] الفرقان۔ اسلام نسلی مذہب نہیں اسلئے اسکی تو بنیاد ہی تبلیغ پر ہے مگر عیسائیت اسرائیل کے گھرانے کا مذہب ہے اسلئے اصل عیسائیت کا دائرہ تبلیغ

تک مسلسل اور شاندار حکومت کے دوران میں برصغیر کی اکثریت ہندو رہی ہے۔ دہلی اور آگرہ جو مسلم گورنمنٹ کے دارالحکومت تھے اور اُن کے گرد و نواح کا علاقہ جہاں انہوں نے آرٹ، تعمیر اور انسانی زندگی کے ہر شعبے میں زندہ یادگاریں چھوڑی ہیں وہاں مسلم صرف خال خال ہی پائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں نے اپنی تبلیغی جد و جہد پُرامن طریق سے، مسلمان تجار کے ذریعہ اور مسلمان صوفیاء کے ذریعہ جاری رکھی اور یہ صوفیاء ——— ہی اصل معنوں میں اصل مبلغ تھے اور اب تک ہندو ان کی عظمت تسلیم کرتے ہیں ——— یہ کہا جاتا ہے کہ ہر مسلمان جو باہر نکلتا ہے وہ مبلغ ہوتا ہے یہ بات بھارت اور دیگر ممالک میں خوب ثابت ہے۔

جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے ہندو یہ بات سمجھ ہی نہیں سکتے کہ مذہب تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ وہ علانیہ کہتے ہیں کہ ہندو ازم بہت ہی رواداری کا عقیدہ ہے کیونکہ یہ دوسرے مذاہب سے آمدہ لوگوں کو قبول نہیں کرتا۔ وہ اپنے مذہب کی رواداری کا بہت ڈھول پیٹتے ہیں کہ وہ دوسرے عقیدہ رکھنے والوں سے بہت زیادہ رواداری سے پیش آتے ہیں۔ مثلاً انہوں نے مسلمانوں، یہودیوں، عیسائیوں کو ہندو مذہب میں لے لیا تھا اور ان کو مکمل مذہبی آزادی دے رکھی تھی کہ اپنے عقیدے کا پرچار کر سکیں۔

یہ بات اپنے نقطۂ عروج کو تب پہنچتی ہے جب تقسیم کے بعد کے زمانہ میں بھارت نے اپنے آپکو جمہوریت ظاہر کیا اور حکومت کو ایک غیر مذہبی حکومت ہونے کا اعلان کیا ہو؟ اس ضمن میں ایک لادینی حکومت کا تصور یہ ہوا کہ وہاں پر مذہبی آزادی اور رواداری ہوگی۔

موجودہ دور میں بعض ادارے ایسے پیدا ہو گئے ہیں جن میں سے ہندو مہا سبھا ایک ہے۔ یہ بھارت میں ہندو ازم کا عروج چاہتی ہے اور رواداری کی پالیسی کو مٹانا چاہتی ہے۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے انہوں نے دو طریق تجویز کر لئے ہیں۔

(۱) انہوں نے بھارت کے چار کروڑ مسلمانوں کو خبردار کر دیا ہے کہ وہ (ہندو مہا سبھا) اُن کو شُدھ ——— یعنی پاک صاف ستھرا و مصفّا ——— کرے گی اور انکو ہندو دھرم میں واپس لیگی۔ حقیقت میں اس جدید عقیدہ کے علمبرداروں نے پہلے ہی مسلمانوں کی ایک معقول تعداد کو جبری طور پر شُدھ کر لیا ہے۔

(۲) انہوں نے مسیحی اور مسلم مبلغین کے خلاف باقاعدہ مہم جاری کر رکھی ہے۔ ان کا مطالبہ ہے کہ عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں بند کر دی جائیں۔ عیسائی مشنری اور وہ کمیٹیاں جو ان کو آسٹریلیا، یورپ اور امریکہ سے بھجواتی ہیں وہ بھی اس خطرے سے آگاہ ہیں۔ انکو یقین ہے کہ آگے چل کر ضرور کہیں بحران پیدا ہوگا۔ تبلیغی مساعی کے خلاف ان تمام سرگرمیوں کا مقصد محض یہ ہے کہ عیسائی مشنری بوریا بستر باندھ کر بھارت سے رخصت ہو جائیں۔ ان کے سامنے چین کی مثال ہے۔ یہاں آکر اصل سوال سے ہم دو چار ہوتے ہیں۔ آئیے ہم اسکی تہ تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

۱۔ ہندو ازم کی مثال یوں ہے جیسے کہ ایک بہت بڑا اسفنج ہو جو اپنے اندر تمام اجنبی عناصر جذب کر لیتا ہے۔ ہندو یہ سمجھتا ہے کہ مذہب اپنے آپکو بے شمار طریقوں پر نمایاں ظاہر کر سکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے وہ اس بات کا سخت مخالف ہے کہ کوئی تبدیلی کی جائے۔

عیسائی مبلغ اس بارے میں اپنی بات یوں پیش کرتا ہے:۔

"ہمارے مذاہب مخالف محوروں پر گھومتے ہیں۔ بھارتی عیسائی کچھ ہندو ازم کو

جذب کریں اور ہندو کچھ مسیحی اصولوں
کو جذب کریں۔ مگر یہ بات کہ ہندوازم
اور عیسائیت کا اتحاد ہو جائے ناممکن
ہے۔" (کرسچن سنچری ۱۶ر جون ۱۹۵۴ء)

ایک مسلمان بھی یہی بات دہرائے گا مگر بہت زیادہ زور سے۔ اسلام سب سے عالمگیر بھائی چارہ اسکا سب سے نمایاں وصف ہے۔ مسلمان اس بات پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ قبر کے بعد ایک ابدی زندگی بھی ہے اور یوم القیامت بھی ہے۔ شرک، اونچ نیچ اور ذات پات مسلمانوں کے نزدیک لغو عقیدے ہیں۔ لہٰذا مذہبی نقطۂ نگاہ سے ہندوازم اور اسلام کے درمیان اتحاد ممکن نہیں۔

نظر تعمق سے اگر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ مخالف تبلیغ اور مخالف تبدیلی مرگرمیوں کی تہ میں قومیت اور سیاسیات کار فرما نظر آئیگی۔ ہندوؤں کو یہ خیال ہے کہ مسلم یا مسیحی اقوام میں بڑھوتی یا کسی بھی قوم میں ایزادی ہمارے سیاسی درجہ اور تمدنی ورثہ کے لئے خطرہ ثابت ہوگی۔ ان کی شدید خواہش ہے کہ بھارت کے تمام باشندے خواہ وہ کسی نسل، رنگ یا عقیدہ کے ہوں وہ بہرحال اکثریت کے مذہب اور تمدن پر چلیں یعنی ہندوازم پر[1]

وہ ادارے جو ان خیالات کے علمبردار ہیں وہ یہ بھی اعلان کر دیں گے کہ بھارت ایک دینی حکومت ہے اور ہندوازم حکومت کا مذہب ہے اور اس حکومت کا صدر ہندو دھرم کا محافظ ہے۔

ایسے ہی سیاسی اور قومی نظریات کے ماتحت ہندوؤں نے بدھ مت کو بھارت سے نکال باہر کیا تھا۔ چنانچہ ایچ۔ جی ویلز لکھتے ہیں کہ:-

"کچھ عرصہ تک تو بدھ مت ہندوستان میں خوب پھیلا مگر برہمن مت جس کے کئی خدا اور لا متناہی عبادتیں ہیں وہ بھی اس کے پہلو بہ پہلو فروغ پاتا رہا۔ برہمن مت اس قدر طاقت پکڑ گیا کہ آخر کار وہ اس قابل ہو گیا کہ اس ذات پات کے منکر مذہب کو ہندوستان سے کلیتہً باہر پھینک دے۔ مظالم اور اس کا ردعمل بھی ہوا مگر گیارھویں صدی میں سوائے اڑیسہ کے بدھ تعلیمات ہندوستان سے معدوم ہو گئیں۔"
(آوٹ لائن آف ہسٹری صفحہ ۳۷۸)

۳- ہندو اپنے اس عقیدے میں بڑے پکے ہیں کہ مذہب میں تبدیلی نہیں ہونی چاہیئے۔ اسی عقیدہ کی علمبرداری کرتے ہوئے ایک دفعہ انہوں نے کہا تھا کہ:-

"اگر میرے پاس طاقت ہوتی اور میں قانون مرتب کر سکتا تو تبدیلی مذہب کو بند کرا دیتا۔"

تاہم وہ مشنریوں کو آنے تو دیتے تھے اور ان کو خدمت خلق کا کام کرنے دیتے تھے۔ ایک مبلغ کے لئے یہ قبول کرنا نہایت ہی ناممکن سی بات ہے کہ محض بیماروں کو اچھا کرے، بھوکوں کو کھانا کھلائے، غریبوں کی امداد کرے اور ان پڑھوں کو تعلیم دے۔ یہ تمام باتیں بھی تو خدمت خلق ہیں۔ پس اگر آپ اسے مذہب تبدیل کرنے کی اجازت نہ دیں گے اور اس طرح بیماروں کو بچانے نہ دینگے

[1] بھارت ۸۰ فیصدی ہندو ہے +

تو آپ اُس کے اندر سے اُس کی رُوح سلب کر لینگے جب تک آپ لوگوں کی رُوح نہیں بچا سکتے اور اُن کو ابدی راحت کے راستے پر نہیں ڈال دیتے آپ کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کوئی پودے کو پانی تو دے مگر ساتھ ہی اس کی جڑ بھی کاٹ رہا ہو۔ اندریں ہر ایک مبلغ کا نقطۂ نگاہ ہے خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتا ہو۔

یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ مسلمانوں کو عیسائیوں سے اُن کے بعض اہم عقائد مثلاً الوہیت مسیح، کفارہ اور تثلیث وغیرہ سے سخت اختلاف ہے۔ ہمارے لئے یہ اصولی بات ہے اور ہم اس کے شدید حامی ہیں کہ مذہبی آزادی ہر قوم کے ہر فرد کا پیدائشی حق ہے۔

اِس بات کے پیشِ نظر کہ بھارت میں اِس وقت کیا ہو رہا ہے، خاص طور پر مسلمانوں اور عیسائیوں پر کیا گذر رہی ہے، وہ لامذہبیت جس کا ڈھول عرصہ سے پیٹا جا رہا تھا محض فریب ثابت ہوا ہے۔ اگر بھارت ہندو مہاسبھا کو ۱۹۵۶ء کے انتخابات میں اکثریت حاصل ہو گئی (اور اس کے حصول کے لئے وہ سر توڑ کوشش کر رہے ہیں) تو بھارت سے سیکولرازم عنقا ہو جائیگا۔ اور اس کی جگہ ہندو مذہبی حکومت لے لیگی۔ تب غیر ہندو مذہب کا مستقبل بھارت میں سخت تاریک ہو جائے گا۔

ہماری دلی خواہش ہے کہ وزیر اعظم نہرو جو ایک بڑی بین الاقوامی شخصیت ہیں اور عالمگیر صلح کے حامی ہیں اِن جدید ادا روں کے شور و غوغا کے آگے نہیں جھکیں گے اور مذہبی آزادی کو ہاتھ سے نہ دیں گے جو صلح کے لئے بنیادی چیز ہے ورنہ بھارت پھر سے بربریت اور جاہلیت کے زمانہ میں جا پڑے گا اور تاریخ اسکے خلاف سخت فیصلہ دے گی ✦

ایک قابلِ غور فطرتی شہادت

دُنیا کے نقشہ پر نظر ڈالیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ دُنیا کے کچھ ممالک عیسائیوں کے قبضہ میں ہیں اور یہ ممالک کافی زیادہ ہیں، کچھ ممالک اشتراکیت کے چنگل میں ہیں اور کچھ ممالک میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں اور بعض ممالک ہنود اور یہود کے قبضہ میں ہیں۔ غرض ساری دُنیا مذہبی اور سیاسی لحاظ سے تین چار حصوں میں منقسم ہے۔ اشتراکیت کا مطمحِ نظر تو صرف انسان کے لئے روٹی اور کپڑے کا سوال ہے اور وہ اسی سبز باغ سے عوام میں قبولیت حاصل کرنا چاہتی ہے اس لئے وہ اور اس کے ممالک اس وقت ہماری بحث سے خارج ہیں۔

باقی ممالک جو مذہبی یا نیم مذہبی تحریکات کے زیرِ اثر ہیں۔ ان پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا کی کسی آبادی میں کسی الہامی کتاب کی حکومت قائم کرنے اور اسکے آئین و قانون کو نافذ کرنے کے لئے اس کے پیروؤں کی طرف سے اس شدت سے اور اس کثرت سے مطالبہ نہیں ہو رہا جتنا کہ مسلمان کہلانے والوں کی طرف سے قرآنی نظام کے نفاذ کا مطالبہ ہو رہا ہے۔ یہ سچ ہے کہ بعض خود غرض لوگ اِس فطرتی پکار کو اپنے دُنیاوی مفاد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ دُنیا بھر میں صرف قرآن مجید کی حکومت کے قیام کا مطالبہ ہی ہمہ گیر حیثیت رکھتا ہے۔ وید، توراۃ۔ انجیل وغیرہ کتب میں سے کسی کتاب کے بارے میں اُن کے پیروؤں کی طرف سے ایسا مطالبہ موجود نہیں۔

اِس سے ظاہر ہے کہ در اصل الہامی کتابوں کے پیروؤں کے دلوں کی آواز بھی وہی کہہ رہی ہے جو کچھ عرصہ قبل حضرت بابا نانک نے فرمایا تھا کہ ؎

توریت انجیل ترے پڑھ سُن ڈِٹھے وید
رہی کتیب قرآن کلجُگ میں پرواند

مقامِ سیّدنا المصطفٰے صلّے اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم !

(از جناب قاضی محمد یوسف صاحب پشاور)

محمدؐ جملہ عالَم را امام است
ملک، جنّ و بشر او را غلام است

لبانم بوسہ گیرد یک دگر شد
محمدؐ وہ چہ خوشش شیریں نام است

مقامِ مصطفٰےؐ از من چہ پرسی
بداں خیر الرسل، فخر الانام است

جمیع انبیاء مثلِ ہلال اند
محمّد مصطفٰےؐ بدرِ تمام است

مطاع و رہبرِ روئے زمین است
خطابِ دعوتش با خاص و عام است

محمّد را خدا خود داد کوثر
مرا زاں کوثرے دُرست جام است

ہمہ نعمت کہ منعم یا فتدے
دریں اُمّت بہ مسلم کے حرام است

محمّد محسنِ خلقِ خدا بُود
ازاں بہرشے درود و ہم سلام است

ہر آنکو مومنش شد متقی شد
بہ نزدِ ذاتِ حق او ذو الکرام است

ہر آنکو کافرش شد دوزخی شد
کہ فردوسِ بریں برفے حرام است

مطیعِ مصطفٰےؐ عزّت بباید
کہ مردِ متقی ذو الاحترام است

اگر نشناختہ کس مصطفٰےؐ را
بر علم و معرفت او مردِ خام است

تلاوت کن کلام اللّٰہ یوسفؔ
کہ قرآں خواں بہ مولا ہم کلام است

شذرات

(۱) گائے کے نام پر فتنہ و فساد

جناب سردار دیوان سنگھ

صاحب ایڈیٹر ہفت روزہ ریاست دہلی لکھتے ہیں:۔

"اگر تو گائے کشی کے خلاف ایجیٹیشن کرنے والوں کا مقصد صرف کانگرس گورنمنٹ کے لئے مشکلات پیدا کرنا ہے پھر تو یہ ایجیٹیشن درست ہے کیونکہ **ہندوستان کے مذہبی بے وقوف صرف مذہب کے نام پر جمع ہو سکتے ہیں**، ورنہ ہمیں بتایا جائے کہ اس وقت کونسے صوبہ، شہر، قصبہ یا گاؤں میں گائے کشی ہوتی ہے اور کیا ہندوستان کے کسی ایک مسلمان یا عیسائی میں بھی احساس کمتری کے باعث یہ جرأت ہے کہ وہ کسی گائے کے ذبح کرنے کا خیال بھی اپنے دل میں لا سکے۔

یہ لطیفہ تو بہت ہی دلچسپ ہے کہ انگریزوں کے زمانہ میں جب ہر روز ہزارہا گائے، بیل اور بچھڑے انگریزی فوجوں کے لئے قتل ہوتے تھے تو ان ایجی ٹیشن کرنے والوں کو سانپ سونگھ گیا تھا اور ان کی زبانیں نعرے لگانے کے اعتبار سے مفلوج تھیں۔ مگر اب جبکہ ہندوستان کے کسی صوبہ، شہر، قصبہ یا گاؤں میں گائے نہیں کاٹی جاتی تو یہ لوگ کانگرس گورنمنٹ کے راستہ میں مخل ہونے اور اسے مشکلات میں مبتلا کرنے کے لئے گائے کشی کے خلاف ایجی ٹیشن پیدا کر رہے ہیں۔" (ریاست دہلی ۱۲ ستمبر ۱۹۵۵ء)

الفرقان۔ ہندوستان کیا ساری دنیا میں یہی طریق ہے کہ مذہبی بیوقوف مذہب کے نام پر جمع ہو سکتے ہیں۔ کیا پاکستان میں گذشتہ دو سالوں میں تحفظ ختم نبوت کے نام پر اسی طرح فتنہ و فساد بپا نہ کیا گیا جس طرح اس وقت ہندوستان میں گائے کے نام پر فتنہ و فساد برپا کیا جا رہا ہے؟۔

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ پر زبان طعن کیوں؟

مودودی جماعت نے بزرگان سلف پر طعن و تشنیع اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے

اس کی تازہ ترین مثال درج ذیل ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا (ابوداؤد) کہ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کی اصلاح کے لئے ہر صدی کے سر پر مجدد مبعوث فرماتا رہے گا۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کی تصدیق میں ان مقدسوں نے جنہیں اللہ تعالیٰ نے منصب تجدید عطا فرمایا اس کا ذکر کیا ہے اور بعض نے اپنی تحریرات میں بھی اس کا اعلان فرمایا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ احمد صاحب سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے کھلے طور پر مجدد ہونے کا دعویٰ فرمایا ہے۔

کسی شخص نے حضرت شاہ صاحب مرحوم کی کتاب تفہیمات الٰہیہ کا اقتباس ذیل پیش کر کے مودودی رسالہ ترجمان القرآن سے استفسار کیا۔ حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"فھمنی ربی جل جلالہ انا جعلناک امام ھذہ الطریقۃ واوصلناک

ذروة سنامها وصددنا طرق الوصول
الى حقيقة القرب كلها غير طريقة
واحدة وهو محبتك والانقياد لك
فالسماء ليس على من عادك بسماء
وليست الارض عليه بارض فاهل
المغرب واهل المشرق كلهم رعيتك
وانت سلطانهم علموا اولم يعلموا
فان علموا فازوا وان جهلوا خابوا"

ترجمہ :۔ مجھے خدائے ذوالجلال نے سمجھایا ہے کہ ہم نے اب تجھے اس طریقہ کا امام مقرر کیا ہے، اور تجھے اعلیٰ درجہ بخشا ہے۔ اور قرب پانے کے اب سب راستے مسدود کر دیئے گئے ہیں سوائے ایک راستہ کے اور وہ تیری محبت اور تیری فرمانبرداری کا راستہ ہے۔ آج جو تیرا دشمن ہے اس کے لئے زمین و آسمان میں کوئی امان کی جگہ نہیں۔ مشرق و مغرب میں بسنے والے سب لوگ تیری رعیت ہیں اور تو ان کا بادشاہ ہے خواہ انہیں معلوم ہو یا نہ معلوم ہو۔ ہاں اگر وہ اس کا علم حاصل کرلیں تو کامیاب ہو جائیں گے ورنہ وہ ناکام و نامراد رہیں گے۔"

جناب ایڈیٹر صاحب "ترجمان القرآن" اسکے جواب میں لکھتے ہیں :۔

(۱) "اب شاہ ولی اللہ صاحب اور مجدد سرہندی رحمہما اللہ کے دعووں کو لیجئے۔ اِن دو نو بزرگوں کے تجدیدی اور اصلاحی کارناموں کے اعتراف کے باوجود یہ کہے بغیر چارہ نہیں ہے کہ انکا اپنے مجدد ہونے کی خود تصریح کرنا اور بار بار کشف و الہام کے حوالے سے اپنی باتوں کو پیش کرنا ان کے شایانِ شان نہ تھا۔"

(۲) "اپنے لئے خود القاب و خطابات تجویز کرنا اور دعووں کے ساتھ انہیں بیان کرنا اور اپنے مقامات کا ذکر زبان پر لانا کوئی اچھا کام نہیں ہے۔" (ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۱۹)

کیا یہ طعن و تشنیع اسلئے کی جارہی ہے اور یہ فتوے اسلئے دئے جارہے ہیں کہ مودودی صاحبان کا ہر مولوی اپنا مقام مجدد وقت سے بھی بالا سمجھتا ہے اور صاحب الہام برحق مجدد پر بھی اپنے آپکو "حَکَم" سمجھتا ہے یا اس کا مقصد صرف مجددین اُمت کے مقام کا استخفاف و توہین کرنا ہے ؟ جو لوگ ان مقدس بزرگوں کو حدیث نبوی کے مطابق برحق مجدد مانتے ہیں (اور الحمدللہ کہ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت ان کو مجددِ صادق مانتی ہے) اور ان کے الہام کو منجانب اللہ یقین کرتے ہیں ان کے لئے یہ سوچنے کا مقام ہے کہ مودودی صاحبان کے اس اندازِ تحریر کا ازالہ کیونکر کیا جائے ؟

۳۔ علماء اور مسلمان کی تعریف

یہ امر واقعہ ہے۔ کہ تحقیقاتی عدالت میں علماء صاحبان "مُسْلِم" کی کوئی جامع مانع تعریف پیش نہ کر سکے۔ علماء کی مختلف تعریفوں کو ذکر کرنے کے بعد فاضل ججان نے لکھا ہے :۔

"(مُسلم کی) ان متعدد تعریفات کو جو علماء نے کیں پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اس کے سوا اور کیا تبصرہ کر سکتے ہیں کہ کوئی سے دو عالم دین اس بنیادی مسئلے پر متفق نہیں۔ اب اگر ہم ان علماء کی طرح اپنی طرف سے مُسلم کی تعریف لکھیں اور وہ تعریف ان سب علماء کی پیش کردہ تعریف سے مختلف ہو تو ہم ان سب کے اتفاق سے دائرۂ اسلام سے خارج کر دئے جائیں گے اور اگر ہم ان میں سے کسی ایک عالم کی پیش کردہ تعریف کو اختیار کریں تو ہم اس عالم دین کی رائے کے مطابق تو

مسلمان رہیں گے لیکن دوسرے علماء کی پیش کردہ تعریف کے مطابق "کافر" بن جائیں گے۔"

(رپورٹ انگریزی ص ۲۱۸)

اس لطیف طنز کے جواب میں مولوی مرتضیٰ احمد خان صاحب میکش لکھتے ہیں:-

"جن علماءِ دین سے یہ سوال کیا گیا ان سب نے توحید باری تعالیٰ اور رسالت محمدیہ پر ایمان لانے اور ضروریات دین کا اقرار کرنے کو مسلم کہلانے کے لئے ضروری قرار دیا۔ اگر وہ علماءِ دین جن سے یہ سوال کیا گیا عدالت کے سامنے جامع و مانع تعریف پیش کرنے سے قاصر رہ گئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اچانک اس سوال کا سامنا کرنا پڑا اور انہیں معلوم نہ ہو سکا کہ عدالت ان سے مسلم کی ایسی جامع و مانع تعریف حاصل کرنا چاہتی ہے جسے اسلامی مملکت کے دستور اساسی میں شامل کیا جا سکے۔"

(روزنامہ نوائے پاکستان لاہور ۲۹ اگست ۵۴ء)

کیا یہ علماء کی توہین نہیں کہ وہ مسلمان کی حقیقی تعریف تک نہیں جانتے؟ میکش صاحب نے اچانک سوال ہونے کی بھی ایک ہی کہی ہے۔ اس سے انہوں نے "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" کی واضح مثال پیش کر دی ہے +

جماعت اسلامی میں کیسے لوگ شامل ہیں؟ | جناب سید محمد داؤد صاحب

صدر جمعیۃ اہلحدیث مغربی پاکستان نے اپنی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے کہ:-

"تم نہیں دیکھتے کہ جماعت اسلامی کا اٹھان اچھا تھا لیکن جب اس نے اپنے آپ کو عوام میں مقبول بنانے کی کوشش شروع کی اور مختلف ناموں اور لائین متفقین سے اپنے ارد گرد عوام کو جمع کرنے کی کوشش کی تو اس میں ان کو دیوبندی، بریلوی، مائل بہ تشیع اور ایسے افراد کو بھی جمع کرنا پڑا جن کا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام ترک کرنے سے کوئی مرتد نہیں ہوتا۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم بھی اسی قسم کی عوامی جماعت بناؤ؟" (الاعتصام ۱۷ ستمبر ۵۴ء)

۵ پیغمبروں کی آمد کا سلسلہ کیوں بند ہو گیا؟ | ایک صاحب نے مودودی

رسالہ ترجمان القرآن کے ایڈیٹر صاحب سے یہ سوال کیا کہ:-

"پیغمبروں کی آمد کا سلسلہ کیوں بند ہو گیا؟ کیا انسانی شعور کو آج ان کی ضرورت باقی نہیں رہی؟"

اس کے جواب میں مدیر ترجمان القرآن لکھتے ہیں:-

"جو لوگ ختم نبوت کی یہ توجیہہ کرتے ہیں کہ انسانی شعور کو اس کی ضرورت نہیں رہی تو وہ دراصل سلسلہ نبوت کی توہین اور اس پر حملہ کرتے ہیں۔ اس تعبیر کے معنی یہ ہیں کہ صرف ایک خاص شعوری حالت تک ہی اس ہدایت کی ضرورت ہے جو نبی لاتے ہیں۔ اس کے بعد انسان نبوت کی رہنمائی سے بے نیاز ہو گیا ہے۔"

(ترجمان القرآن ستمبر ۵۴ء)

الفرقان - مودودی مجیب صاحب نے اس حصہ میں علامہ اقبال اور ان کے ہمنواؤں کو "سلسلہ نبوت کی توہین کرنے والے" قرار دیا ہے۔ کیا رسالہ طلوع اسلام اس کا جواب دے سکتا ہے؟

ہم ترجمان القرآن سے پوچھتے ہیں کہ اگر یہ توجیہہ سلسلۂ نبوت کی توہین ہے تو وہ کوئی شرعی توجیہہ بیان کریں؟ +

معبودِ حقیقی کے اسمِ ذات "اللہ" کے متعلق مستشرقین کے نظریات کا رد

(از جناب شیخ عبد القادر صاحب لائل پور)

عربی زبان میں "اللہ" معبودِ حقیقی کا اسمِ ذات ہے۔ اس نام کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ابتداء سے یہ لفظ

۱۔ صرف اس ہستی پر بولا جاتا ہے جو ازلی، ابدی اور الحی القیوم ہے اور ہر قسم کے نقائص اور عیوب سے پاک۔ یہ لفظ مخصوص ہے اس خالق کائنات کے لئے جو "وحدہٗ لا شریک" اور "لیس کمثلہٖ شیٔ" ہے۔

۲۔ یہ لفظ کسی مادے سے مشتق نہیں اور نہ اس کے مشتقات ہیں۔ یعنی نہ یہ کسی لفظ سے بنا اور نہ آگے اس سے کوئی اور لفظ بنا ہے۔ "لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ" کا ایک پہلو میں یہ اشارہ موجود ہے۔

۳۔ عربی زبان کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں ذاتِ واجب الوجود کا یہ اسم اعظم قائم و دائم ہے۔ اور کسی زبان میں معبودِ حقیقی کے نام کے واسطے کوئی ایسا مفرد لفظ نہیں ہے جو خاص اسی کے واسطے ہو اور کسی دوسرے پر اس کا اطلاق نہ ہو سکے۔

۴۔ عربوں نے اپنے بتوں کے دوسرے نام رکھے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ کبھی کسی بت یا معبود کو اللہ نہیں کہا گیا۔ دوسری زبانوں میں جو الفاظ خدا تعالیٰ کیلئے بولے جاتے ہیں وہ عام طور پر صفاتی نام ہیں۔ ان کا استعمال دوسروں پر بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی جمع موجود ہے (جیسے اِلٰہ کی جمع الوہیم عبرانی میں مستعمل ہے) لیکن اللہ کے لفظ کا اطلاق کسی دوسرے پر نہیں ہوا، نہ ہو سکتا ہے۔ ارض و سماء میں ایک ہی ہستی پر اللہ نام کا اطلاق ہوا۔

"هو اللہ فی السمٰوٰت وفی الارض"

۵۔ چونکہ یہ اسم خدا تعالیٰ کے لئے بطور اسمِ ذات کے استعمال میں آیا ہے اسلئے قدرتی طور پر ان تمام صفتوں پر حاوی ہے جن کا خدا کی ذات کے لئے تصور کیا جاسکتا ہے۔ صفاتِ الٰہیہ ہمیشہ اللہ کے لئے بطور صفت کے استعمال ہوتے ہیں لیکن اللہ کا لفظ کسی اور اسم کے لئے بطور صفت استعمال نہیں کیا جاتا اور یہی اصل علامت علَم کی ہے۔

قرآن مجید نے یہ لفظ بطور اسمِ ذات کے اختیار کیا اور تمام صفتوں کو اسی کی طرف نسبت دی۔

"وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا" (۷: ۱۸۰)

اور اللہ کے لئے حسن و خوبی کے نام ہیں۔ یعنی صفتیں ہیں لہٰذا چاہیئے کہ اسے ان صفتوں کے ساتھ پکارو۔

تاریخی جائزہ

اس عنوان کے تحت پورے وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے

کہ معبودِ حقیقی کا یہ اسمِ ذات اُس وقت سے مستعمل ہے جب سے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ادراک ہوا۔ اس لفظ کا مکمل تاریخی جائزہ انسان کے بس کی بات نہیں۔ نامکمل سا خاکہ درج ذیل ہے:۔

۱۔ "بیت اللہ" کے نام میں یہ اسمِ ذات ایک ایسے قدیم زمانہ سے استعمال ہوتا نظر آتا ہے جس کی قدامت کا تعین مشکل ہے۔

ریونڈ ڈول جیسے معاندِ اسلام کو تسلیم ہے کہ:۔

" زمانۂ قدیم سے کعبہ تمام قبائلِ عرب کی عبادت گاہ خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ یونان کا مشہور مؤرخ ڈیوڈورس جو تاریخ مسیحی سے ساٹھ سال پہلے زندہ تھا لکھتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی کعبہ اسی طرح موجود تھا۔ (باب ۲) اور اس عبادت گاہ کو لوگ "بیت اللہ" کہتے تھے۔ اس حرفِ تعریف سے صاف ظاہر ہے کہ اہلِ عرب میں وحدانیتِ الٰہی کا عقیدہ کسی زمانہ میں بھی فراموش نہیں ہونے پایا تھا۔ مگر اُن کے اور بہت سے معبود رہتے تھے جن کی وجہ سے قرآن میں اُن کو مشرکین کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ دوسرے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم و عبادت میں شریک کرکے اُن کی پرستش کرتے تھے لیکن وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہم ان معبودوں کی پرستش زندہ خدا کی پرستش کی طرح نہیں کرتے بلکہ ان کو صرف وسیلۂ شفاعت خیال کرتے ہیں۔ اور اُمید رکھتے ہیں کہ ان کی شفاعت کے ذریعہ خداوندِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) ہم پر مہربان ہوگا اور ہماری دعائیں قبول فرمائے گا۔"[1]

پروفیسر فلپ حتّی لکھتے ہیں:۔

" مکہ میں اللہ (اَلْ اِلٰہ[2] = خدائے واحد) کی عبادت بطور معبودِ اعظم ہوتی تھی۔ مگر دوسرے دیوتا بھی شریک کر لیے گئے۔ یہ نام قدیم ہے ...... اسلام سے قبل اہلِ مکہ اللہ کو خالق اور ربِّ اعلیٰ اور خاص مصیبت میں مدد مانگنے کے لائق سمجھ کر احترام کرتے تھے۔"[3]

سر ولیم میور لکھتے ہیں:۔

" قدیم ترین زمانہ سے خانہ کعبہ کا حج عرب کے ہر گوشہ کے لوگ کرتے رہتے ہیں۔۔۔ ...... اس قدر عام طور پر سارے ملک میں اس عزت کا حاصل ہونا یقیناً ایک ایسے قدیم زمانہ سے ہونا چاہیے جس کے پرے اور کوئی قدیم زمانہ تجویز نہیں ہو سکتا۔"

(لائف آف محمدؐ)

قرآن مجید کا یہ دعویٰ ہے کہ اولین عبادت گاہ جو لوگوں کے افادۂ روحانی کے لیے بنائی گئی وادیٔ بکہ میں ہے۔ (آلِ عمران: ۹۵)

وادیٔ بکہ کی اس عبادت گاہ میں چونکہ اللہ معبودِ حقیقی کی پرستش ہوتی تھی اسلئے زمانۂ قدیم سے اس کا نام "بیت اللہ" نسلاً بعد نسل چلا آتا ہے۔

---

[1] The Sources of Islam Ch. 1.

[2] لین کی عربی لغت میں ہے کہ "اللہ" کا لفظ "اَل اِلٰہ" سے مرکب نہیں۔ یہ اسمِ ذات ہے اَل اس سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔"

[3] History of the Arabs P. 101.

۲- اب ہم عرب کے بعض قدیم کتبات کا ذکر کرتے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ زمانۂ قدیم سے عرب میں اللہ معبودِ حقیقی کا اسم ذات تھا۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یمن میں ایک دفعہ سیلاب سے ایک قبر کھل گئی تو ایک عورت کی لاش نکلی ..... اس کے سرہانے ایک لوح تھی جس پر یہ کتبہ لکھا ہوا تھا:-

"اللہ کے نام پر جو حمیر کا خدا ہے میں
ذوشفر کی بیٹی تاجہ ہوں میں نے اپنے
قاصد کو یوسف کے پاس (غلہ حاصل
کرنے کے لیے) بھیجا تھا"

یہ کتبہ جسے فارسٹر نے بھی اپنے جغرافیہ میں مع انگریزی ترجمہ کے نقل کیا ہے کم و بیش سترہ سو سال قبل مسیح کا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ (Historical Geography of Arabia P. 103)

مورخ کلبی کے زمانہ میں قبیلہ ذوالکلاع کے ایک شخص نے یمن میں ایک مدفن میں سر پایا جس پر سرخ یاقوت جڑا ہوا تھا۔ اس پر یہ عبارت کندہ تھی:-

"اللہ کے نام پر جو کہ حمیر کا خدا ہے۔ میں عمرو نعیل کا بیٹا حسان ہوں" (ارض القرآن حصہ اول ص۳۳)

اسی طرح حمزہ اصفہانی المتوفی ۳۴۰ھ نے ایک حمیری کتبہ کا ذکر کیا ہے جو کہ تیسری صدی عیسوی سے تعلق رکھتا ہے جس کی عبارت یہ تھی:-

"اللہ کے نام پر شمر یرعش (شاہ حمیر) نے
آفتاب دیبی کے لئے یہ بنایا"

(ملوک الارض ص۱۱۰ کلکتہ)

یہ کتبے ثابت کرتے ہیں کہ قدیم عرب اللہ کو معبودِ حقیقی سمجھتے اور اس کی پرستش کرتے تھے۔ گو اس کے ساتھ شمس دیوتا اور دوسرے دیوتاؤں کو بھی پوجتے تھے۔

۳- قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سبا کو ایک خط لکھا۔ اس خط کا ذکر "ترجم" میں بھی موجود ہے جو کہ قدیم یہودی مذہب کے لٹریچر میں شامل ہے۔ قرآن مجید نے ایک زائد بات یہ بتائی ہے کہ خط اللہ۔ الرحمٰن۔ الرحیم کے نام سے شروع ہوتا ہے:

"إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ
الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ" (نمل)

قرآنی اسلوب سے ظاہر ہے کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اس خط کے اصل الفاظ ہیں۔ گویا یہ حصہ ایک اقتباس ہے۔ اس خط کا زمانہ تحریر ایک ہزار سال قبل مسیح کے لگ بھگ ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے یہ خط اپنی زبان عبرانی میں لکھا یا ملکۂ سبا کی زبان سبائی عربی میں؟ قرینِ قیاس یہی ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے یہ خط ملکۂ سبا کی زبان سبائی عربی میں تحریر کروایا۔ ملکِ سبا کے ساتھ حضرت سلیمانؑ کی بحری تجارت جاری تھی۔ حضرت سلیمانؑ کا بیڑہ یمن کی بندرگاہ اوفر سے سونا لایا کرتا (سلاطین ۹/۲۶) یروشلم کے بازاروں میں عدن اور سبا کے سوداگر سوداگری کرتے تھے اور ہر قسم کے نفیس و خوشبودار مسالے اور ہر طرح کے قیمتی پتھر اور سونا لاتے تھے (حزقی ایل ۲۷/۲۲) عرب و فلسطین کے ان قریبی تعلقات کے پیشِ نظر حضرت سلیمانؑ کے پاس مختلف سامی زبانوں کے ماہرین موجود نہ ہوں یہ بات بعید از قیاس ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ حضرت سلیمانؑ ملکۂ سبا کی عربی زبان کو چھوڑ کر اپنی زبان میں اسے خط لکھتے۔ قرآن مجید نے ملکۂ سبا کے نام خط کا جو حوالہ دیا ہے اگر اسلوبِ بیان کی رو سے اس کا ایک اقتباس ہونا ثابت ہے تو ماننا پڑے گا کہ یہ خط عربی میں تھا نہ کہ عبرانی میں۔

جنوبی عرب سے جو قدیم کتبے برآمد ہوئے ہیں ان سے

معلوم ہوتا ہے کہ گو وہاں شمس دیوتا کی پوجا ہوتی تھی لیکن "اللہ" کو وہ معبود اعظم مانتے تھے۔ جن کتبوں میں شمس دیوتا کا ذکر ہے وہ بھی "اللہ" کے نام سے شروع ہوتے ہیں۔ تین کتبوں کا حوالہ ہم اوپر دے چکے ہیں جن میں سے ایک کتبہ ملکہ سبا کے زمانہ سے سات سو سال قبل کا ہے۔ "اللہ" کا نام ان کے علاوہ جنوبی عرب سے تعلق رکھنے والے دو اور کتبوں میں بھی آیا ہے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ آثار قدیمہ کی ان شہادتوں سے ثابت ہے کہ ملک سبا کا معبود اعظم اللہ تھا جس کی پرستش کا ذریعہ شمس دیوتا اور دوسرے دیوتا تھے۔

حضرت سلیمانؑ نے ملکہ سبا کے نام اس کی زبان میں خط لکھا اور اللہ۔ الرحمٰن اور الرحیم کے نام سے شروع کیا۔ گویا اُسے بتایا کہ معبود حقیقی "اللہ" کی پرستش کا حق جو تم نے دوسرے دیوتاؤں کو دے رکھا ہے یہ باطل ہے۔ اللہ ہی ہے جو کہ الرحمٰن اور الرحیم ہے اور انسان کی پرستش کا وہ سزاوار ہے۔"

۴۔ اب ہم عصر حاضر میں برآمد ہونے والے آثار قدیمہ کی طرف آتے ہیں۔ شمالی اور جنوبی عرب کے آثار سے جو کہ موجودہ زمانہ میں ملے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا نام خدائے مطلق کے لئے قدیم زمانہ میں عربوں میں مستعمل تھا۔ لب و لہجہ کے اختلاف کی وجہ سے بعض دفعہ اللہ کا الف 'ھ' میں بدل گیا اور "ھللہ" ہو گیا۔ یہ آثار پانچویں صدی قبل مسیح سے لیکر چھٹی صدی عیسوی تک کے کتبوں کی صورت میں ملتے ہیں۔ مختصر تفصیل درج ذیل ہے:۔

ا۔ پانچویں صدی قبل مسیح کے شمالی عرب سے تعلق رکھنے والے لحیانی کتبوں میں اللہ کا نام "ہ ل ہ" کی صورت میں کثرت سے تحریر ہے۔

ب۔ اللہ کا لفظ اپنی صحیح شکل میں جنوبی عرب سے تعلق رکھنے والے منائی اور سبائی کتبوں میں ملتا ہے۔ منائی ریاست کا دور حکومت ۱۲۰۰ قبل مسیح سے ۶۵۰ قبل مسیح تک اور سبائی بادشاہی کا دور ۹۵۰ قبل مسیح سے ۱۱۵ قبل مسیح تک رہا۔

ج۔ اسلام سے پانچ صدی پہلے شمالی عرب میں صفا کے کتبوں میں اللہ کا نام "ھلّہ" کی صورت میں ملتا ہے۔

د۔ ام الجمال (شام) کے قبل اسلام عیسائی عربی کتبے جنہیں چھٹی صدی عیسوی سے منسوب کرتے ہیں یہ نام الٰہ کی صورت میں ملتا ہے۔

(تاریخ عرب از حتی صفحہ ۱۰۰، ۱۰۱)

۵۔ اب ہم ایسے کتبوں کا ذکر کرتے ہیں جن میں اللہ کا لفظ عرب کے باشندگان قدیم کے ناموں کا جزو ہے۔ مشہور مورخ نولڈیکی لکھتے ہیں:۔

"اللہ (جیسے صفا کے کتبوں میں "ھلّہ" لکھا ہوا ہے) انباط اور دیگر باشندگان عرب شمالی کے نام کا ایک جزو تھا مثلاً زید اللّٰہی عبد اللّٰہی وغیرہ۔ نباتی کتبات میں اللہ کا نام بطور ایک علیحدہ معبود کے نہیں ملتا لیکن صفا کے کتبات میں ملتا ہے۔ متاخرین عربوں میں اللہ کا نام نہایت عام ہے۔ ولہاسن نے عرب قدیم کے لٹریچر میں بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں جن میں اللہ کا نام بطور ایک معبود عظیم کے استعمال ہوا ہے۔[1]"

مغربی مستشرق نالی۔ ایٹن۔ فیرس لکھتے ہیں:۔

"اس سے پہلے کہ یہودی اور عرب تک پہنچے بتکیوں کے اسماء میں اللہ بطور جزو

---

[1] انسائیکلوپیڈیا مذہب و اخلاق جلد ۱ صفحہ ۲۲۶

نظر آتا ہے۔ ؎

۴۔ ریورینڈ آر ڈیل لکھتے ہیں :۔

"یہ امر مسلمہ ہے کہ خدائے عز و جل کا یہ نام زمانۂ جاہلیت میں بھی یعنی قبل از اسلام اہل عرب کے درمیان رائج و مشہور تھا۔ چنانچہ سبعہ معلقہ میں جاہلی شعراء کے کلام میں بارہا اللہ کا نام آیا ہے۔" ؎

ان شہادات سے ظاہر ہے کہ زمانہ قدیم سے لے کر (جس کی ہم تعیین نہیں کر سکتے) زمانہ اسلام تک "اللہ" معبود حقیقی کے لئے بطور اسم ذات رائج و مستعمل تھا اس نام کو باہر سے کیا ہوا قرار دینا جیسا کہ بعض مستشرقین کا خیال ہے اکتشافات اثریہ کی شہادات کے بالکل خلاف ہے۔

السنہ سامیہ کی شہادت

مستشرقین کو یہ مسلم ہے کہ السنہ سامیہ میں عربی زبان سب سے قدیم محفوظ ترا ور اس زبان سے نہایت اقرب ہے جسے اہل تحقیق سامی زبان کی ابتدائی صورت قرار دیتے ہیں۔ البتہ اس امر کا لسنہ کے آخر تک پہنچنے کے لئے کافی وقت درکار ہے۔ انیسویں صدی میں صرف یہ تسلیم ہوا کہ السنہ سامیہ میں عربی زبان قدیم تر ہے۔

(تاریخ عرب از حتی صفحہ ۱۲۱)

اس نظریہ کے پیش نظر لفظ اللہ کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ عربی کے علاوہ دوسری سامی زبانوں میں معبود حقیقی کا یہ نام بگڑ کر مختلف شکلیں اختیار کر گیا۔ دوسری زبانوں میں جا کر یہ بھی بھول گیا کہ معبود حقیقی کے لئے یہ لفظ خاص ہے۔ انہوں نے ہر قسم کے معبودوں پر یہ لفظ بولنا شروع کر دیا۔ اب ہم بعض حروف کے قدر مشترک سے پہچان سکتے ہیں کہ یہ لفظ عربی کا بگاڑ ہے۔

ا۔ عربی زبان کی پہلی شاخ وہ زبان ہے جسے آرامی عربی کہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہی زبان تھی۔ آرامی کا تعلق چونکہ عربی سے قریب تر ہے اسلئے ذات باری تعالیٰ کے لئے آرامی میں "آلاھا" کا لفظ موجود ہے جو کہ عربی کے اللہ کی ہی ایک قریبی صورت ہے۔

ب۔ دوسری سامی زبانوں میں یہ لفظ الوھا، الاھیا اور ھَلّاہ کی صورت میں موجود ہے۔ موخر الذکر صورت میں ا کا ھ سے بدل ہوتا ہے۔ سامی زبانوں میں بعض دفعہ ا کا ھ سے ابدال ہو جاتا ہے۔ مثلاً "اَلَّذِی" کا "ھَلَّذِی"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد ۲۰ صفحہ ۳۱۴، صفحہ ۳۱۳ زیر لفظ "Semitic Languages")

ج۔ سامی زبانوں میں خدا تعالیٰ کے لئے دو لفظ مشترک طور پر مستعمل ہیں۔ ایک لفظ اللہ یا اسکے مشابہ کوئی لفظ۔ دوسرے لفظ اِلٰہ یا اس کی بدلی ہوئی کوئی صورت۔

اکتشافات اثریہ کے مطالعہ کے بعد یہ ثابت ہے کہ زمانہ قدیم سے اللہ یا اِلٰہ کے الفاظ یا ان کے مشابہ الفاظ سامی زبانوں میں خدا تعالیٰ کے لئے مستعمل ہیں۔

لفظ اللہ اور لفظ اِلٰہ السنہ سامیہ میں کسی کسی شکل میں پائے جاتے ہیں۔ مندرجہ ذیل نقشہ ملاحظہ ہو :۔

اللہ	اِلٰہ
عربی ۔ اللہ	عربی ۔ اِلٰہ
آرامی ۔ آلاھا	آرامی ۔ آیلاہ
عبرانی ۔ الوھا	آشوری ۔ اِلُو

؎ The Sources of Islam ... ؎ The Arab Heritage p. 58 ...

	اللہ		اِلٰہ
کلدانی و سریانی	الاھیا-الاھا	عبرانی، فونیقی، ایتھوپیا اور جنوبی عرب کی زبانیں	ایل یا اِل
شمالی عرب کے کتبے	ھَلّاہ		

اِس تقابل مطالعہ سے ظاہر ہے کہ عربی کے علاوہ دوسری سامی زبانوں میں خدا تعالیٰ کے لئے زمانۂ قدیم سے جہاں اللہ کے مشابہ کوئی لفظ مستعمل ہے وہاں اِلٰہ کے مشابہ بھی کوئی نہ کوئی لفظ پایا جاتا ہے۔ یہ لسانی رشتہ ایک ممتاز نسلی وحدت کا آئینہ دار ہے۔

محققین کو تسلیم ہے کہ :-

۱۔ "اصل سامی بولی کی خاص نشانیاں گردانوں سمیت عبرانی اور اسکی دوسری بہنوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ عربی میں سلامت رہیں۔ نظر بریں سامی السنہ کے مطالعہ کی سب سے اچھی کلید عربی زبان ہے۔"

۲۔ "عربوں نے سامی خصائص کو بہت خالص شکل میں محفوظ رکھا ..... عربوں کی زبان اس بولی سے نہایت اقرب ہے جسے اہل تحقیق سامی زبانوں کی ابتدائی صورت قرار دیتے ہیں۔" (تاریخ عرب از حِتّی صفحہ ۱۱)

اِس تحقیق کے پیشِ نظر لامحالہ یہ ماننا پڑیگا کہ عربی زبان کا اللہ اور اِلٰہ دوسری سامی زبانوں میں لب و لہجہ کے اختلاف کے باعث ذرا مختلف شکل اختیار کر گیا۔ لفظ اللہ دوسری زبانوں میں اَلّاھا - الوھا - الاھیا - ھَلّاہ کی صورت میں ملتا ہے اور لفظ اِلٰہ دوسری سامی زبانوں ایلاہ - اِلُو - اِیل یا اِل کی شکل اختیار کر گیا - البتہ عربی زبان کی ایک خصوصیت دوسری زبانوں نے قائم نہ رکھی کہ عربی زبان میں اِلٰہ کا لفظ جہاں محض معبود کے معنوں میں آتا ہے - وہاں اللہ کا لفظ معبودِ حقیقی کے لئے خاص ہے - لا اِلٰہ الّا اللہ معبودانِ باطلہ کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ لیکن دوسری زبانوں میں یہ خصوصیت قائم نہ رہی - ان میں یہ دونو لفظ جہاں معبودِ حقیقی کے لئے مستعمل ہیں وہاں دوسرے معبودوں کے لئے بھی بکثرت استعمال کئے جاتے ہیں - عربی زبان کی مسلّمہ قدامت کے پیشِ نظر یہ نظریہ کہ دوسری سامی زبانوں سے یہ الفاظ عربی میں چلے گئے باطل ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ دوسری سامی زبانیں جب عربی قدیم سے جُدا ہوئیں تو اللہ اور اِلٰہ - کے الفاظ اپنے ساتھ لے آئیں بعد میں لب و لہجہ کے اختلاف کی وجہ سے ان الفاظ کی صورت میں تبدیلی آ گئی -

مستشرقین کے نظریات

عہد حاضر کے سکالرز کی رائے لفظ اللہ کی اصلیت کے متعلق مختلف ہے :-

۱ - بعض خیال کرتے ہیں کہ یہ باہر سے آمدہ نام ہے یعنی آرامی اَلّاھا عربی میں آکر اللہ ہو گیا۔ وِن سِنک نے اِس نظریہ کی تجدید کی ہے -

۲ - بعض کا خیال ہے کہ اللہ مشترک سامی معبود "ایل" ہی سے نکلا ہے -

۳ - ولہاسن لکھتا ہے کہ نباطی کتبات میں ہم بار بار کسی دیوتا کا نام پاتے ہیں جس کے ساتھ اللہ کا لقب شامل ہے اس سے ولہاسن نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ کا لقب جو پہلے مختلف معبودوں کے لئے استعمال ہوتا تھا' ہو سکتا ہے کہ رفتہ رفتہ زمانۂ مابعد میں صرف ایک عظیم ترین معبود کے لئے بطور عَلَم کے مخصوص ہو گیا ہو (انسائیکلوپیڈیا مذہب و اخلاق جلد اوّل صفحہ ۶۶۳)

(۱)

ان شبہات کا ازالہ بھی زیادہ تر مستشرقین کی تحریروں ہی سے کرنا چاہتا ہوں۔ پہلے نظریہ کے متعلق (کہ آرامی الاھا عربی میں آکر اللہ ہوگیا) مغربی مستشرق ناجی امین فیرس اپنی کتاب "The Arab Heritage" میں لکھتے ہیں:۔

"عربی اللہ کس قسم کا معبود تھا۔ یہ امر عرب کے قدیم مذہب کے بارہ میں ہمارے علم میں ایک تاریک نقطہ ہے۔ عہدِ حاضر کے سکالرز کی رائے اس مسئلہ پر مختلف ہے۔ بعض خیال کرتے ہیں کہ اللہ مشترک سامی معبود "ایل" ہی سے نکلا ہے جو لفظ کہ عام ہے خدا یا ارفع ہستی کے لئے۔ اس کے مقابل پر دوسری رائے وہ ہے جس کی "ون نٹ" نے حال ہی میں تجدید کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اللہ محض ایک باہر سے آمدہ نام ہے یعنی اس کے نزدیک آرامی "الاھا" جو کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا عالمگیر معبود ہے اللہ میں تبدیل ہوگیا۔

مؤخر الذکر رائے کہ آرامی کا الاھا عربی میں جاکر اللہ ہوگیا، باوجودیکہ ون نٹ جیسے فاضل نے اسے پیش کیا ہے درست نہیں ہے۔ کیونکہ جب ابھی یہودی اثر عرب تک پہنچا ہی نہ تھا انباط کے ناموں میں لفظ اللہ بطور ایک جزو کے ہمیں شامل نظر آتا ہے"

فاضل مستشرق نے اس نظریہ کی تردید بخوبی کر دی کہ آرامی کا الاھا عربی میں آکر اللہ میں تبدیل ہوگیا۔ آثارِ قدیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے باشندگانِ قدیم کے ناموں میں اللہ بطور جزو شامل تھا۔ مثلاً اس قسم کے نام ہمیں ملتے ہیں زید اللہی۔ عبد اللہی۔ اور یہ آثار یہودی اور عیسائی اثرات کے پہنچنے سے پہلے کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس یہ قطعیۃً دور از حقیقت ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا معبود "الاھا" یا "الوھا" عربی میں جاکر اللہ ہوگیا۔

(۲)

اب آئیے اس دعوے کی طرف کہ اللہ مشترک سامی معبود ایل ہی سے نکلا ہے۔

اگر یہ نظریہ صحیح ہے کہ قدیم سامی زبان جو کہ موجودہ السنۂ سامیہ کی ماں ہے عربی سے اقرب کوئی زبان ہے تو کم از کم یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ قدیم عربی نے اپنے اثرات دوسری زبانوں پر چھوڑے ہیں نہ یہ کہ خود عربی ہی دوسری زبانوں کی خوشہ چین ہے اور وہ بھی ذاتِ باری کے نام کے معاملہ میں۔

اگر سامی زبانوں کا مشترک معبود ایل عربی میں جاکر اللہ ہوگیا تو یہ ماننا پڑیگا کہ باوجود قدیم ترین اور جامع زبان ہونے کے عربی میں خدائے مطلق کے لئے کوئی لفظ موجود نہیں تھا، دوسری زبانوں کے سامنے اسے دستِ سوال دراز کرنا پڑا، ایل نظر پڑا اُسے اللہ بنا لیا۔ اتنی افسانوی اور مضحکہ خیز صورت اختیار کرنے کی بجائے یہ سادہ توجیہہ کرنے میں کیا چیز مانع ہے کہ عربی قدیم کا لفظ اللہ جہاں دوسری سامی زبانوں میں الاھا۔ الوھا۔ الاھیا وغیرہ میں بدل گیا وہاں لفظ اِلٰہ دوسری زبانوں میں جاکر ایل اور اِل یا اِلُو ہوگیا۔ یقیناً یہ نظریہ زیادہ قرینِ قیاس اور عربی کی قدامت کے متعلق مستشرقین کے نئے نظریہ کے زیادہ قریب ہے۔

ناجی امین فیرس نے خوب کہا ہے کہ لفظ اللہ کی اصلیت ہمیں معلوم نہیں، یہ امر ہمارے علم کا ایک تاریک نقطہ ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ لفظ اللہ کے متعلق مستشرقین کی تحقیق اتنی مختلف مضحکہ خیز اور ظنیات کے دھندلکوں میں لپٹی ہوئی ہے۔ کہ اسے تحقیق کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔

(۳)

ولہاسن کا نظریہ لفظ اللہ کی اصلیت کے بارے میں یہ ہے کہ عرب قدیم میں اللہ کا لقب مختلف دیوتاؤں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ زمانہ ما بعد میں صرف ایک عظیم ترین معبود کے لئے بطور عَلَم کے مخصوص ہو گیا۔

ولہاسن سے کون پوچھے کہ جس زمانہ میں اللہ کا لقب معبودانِ باطلہ کے لئے مخصوص تھا اُس وقت خدائے حقیقی کے لئے عربی زبان میں کونسا لفظ تھا؟ ہم دیکھتے ہیں کہ وحشی سے وحشی قوم میں بھی جسے تہذیب و تمدن کی ہوا چھو تک نہیں سکی ہستی باری تعالیٰ کا تصوّر موجود ہے وہ قبائلی خداؤں کے علاوہ ایک خالقِ کُل، غیر مرئی اور غیر مادی خدا کا وجود بھی تسلیم کرتے ہیں اور اس کو کسی نہ کسی نام سے پکارتے ہیں۔ ایک عرب ہی ایسی قوم تھی کہ جس پر ایسا زمانہ بھی گذرا کہ اس کی عظیم لغت میں دیوتاؤں کے نام تو موجود ہیں، خدائے مطلق کے لئے کوئی نام موجود نہیں۔ گویا اس نظریہ کے نتیجہ میں ماننا ہوگا کہ سارا عرب پہلے بُت پرست تھا، اپنے دیوتاؤں کو اللہ کے لقب سے پکارتا تھا، ذاتِ باری کے نام تک سے واقف نہ تھا۔ یونہی زمانہ گذرتا گیا بعد میں یہ خیال آیا کہ معبودِ حقیقی کا کوئی نام رکھنا چاہیئے۔ اپنے دیوتاؤں کا مشترک لقب اللہ سامنے آیا۔ آہستہ آہستہ یہی نام باری تعالیٰ کے لئے رواج پا گیا۔ ہم حیران ہیں کہ اسے تحقیق کا نام دیا جائے یا بے سر و پا افسانہ کہا جائے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ عرب میں خدا تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے معبود کو "اللہ" قرار نہیں دیا گیا۔ ولہاسن کو بھی نباطی کتبات میں لفظ اللہ نہیں ملا بلکہ الاھا کو اس نے اللہ سمجھ لیا۔ جرمن مستشرق نولڈیکی لکھتا ہے:۔

"In the Nabataean inscriptions we repeatedly find the name of a deity accompanied by the title Alaha, the God."

نباطی کتبات میں ہم بار بار کسی دیوتا کا نام پاتے ہیں جس کے ساتھ الاھا کا لقب شامل ہے۔"

(مذہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا جلد ا صفحہ ۶۶۴)

آگے لکھا ہے کہ اسی لفظ "الاھا" کو ولہاسن نے "اللہ" قرار دے کر اپنا مذکورہ نظریہ پیش کیا ہے۔

عرب کے آثارِ قدیمہ سے یہ ثابت ہے کہ اللہ نام یا تو اپنی صحیح صورت میں مستعمل تھا یا ھللہ کی صورت میں۔ الاھا کی صورت میں یہ لفظ پایا نہیں جاتا۔ خصوصاً کتباتِ انباط میں لفظ "اللہ" قدیم باشندگانِ عرب کے اسماء کے جزو کے طور پر اپنی اصلی شکل میں ملتا ہے۔ نولڈیکی لکھتا ہے:

"Allah.....enters into the composition of numerous personal names among the Nabataeans and other northern Arabs of an early period, e.g. Zaid Allahi, Abd Allahi, and so forth."

کہ لفظ اللہ زمانہ قدیم سے انباط اور دیگر باشندگانِ عرب شمالی کے نام کا ایک جزو تھا مثلاً زید اللہی، عبد اللہی وغیرہ۔"

(انسائیکلوپیڈیا مذہب و اخلاق جلد ا صفحہ ۶۶۴)

ثانی - ایچ - ریفرس مشہور مستشرق کا حوالہ ہم دے چکے ہیں کہ:

"اس سے پہلے کہ یہودی اثر عرب تک پہنچے انباط کے اسماء میں اللہ بطور جزو شامل نظر آتا ہے۔"

(باقی صفحہ ۳۴ پر)

اُردو زبان میں عربی کے الفاظ

(از جناب ملک مبارک احمد صاحب فاضل نزیل دمشق)

اصل مضمون کو شروع کرنے سے قبل میں ضروری سمجھتا ہوں کہ بعض اُن تاریخی مراحل کو بیان کروں جن میں سے گذرتے ہوئے اُردو زبان زبانوں کے عالمگیر خاندان میں شامل ہوئی۔ اسی طرح اُن اسباب کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جو اُردو میں عربی الفاظ شامل ہونے کا موجب ہوئے، یہ اسلئے کہ تا پڑھنے والا اُن ضروری واقعات سے باخبر رہے جو اردو زبان کے ظہور کا باعث بنے۔

جب ہم اُردو زبان کی جائے پیدائش اور قدامت کے بارے میں غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبان تاریخ لغات میں قریب کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ یہ امر واضح ہے کہ یہ قدیم ہندی زبانوں میں سے نہیں ہے بلکہ یہ اُن پے در پے فتوحات کا نتیجہ ہے جو مختلف زمانوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں وقوع میں آئیں۔ حتیٰ کہ آخر کار مغلوں نے ۱۲۳۴ء میں اس زبان کو اس لئے جنم دیا تا کہ اجنبی حکام اور اصل باشندوں میں باہمی اتصال و تفاہم پیدا ہو۔ اس نئی زبان کا نام اُردو رکھا گیا جس کے معنے ترکی زبان میں لشکر یا لشکرگاہ کے ہیں۔

یہ زبان عربی فارسی اور سنسکرت سے مل جل کر بنی ہے۔[۱] مذکورہ ترتیب کے لحاظ سے عربی نے ہندوستانی زبانوں پر عام طور پر براہ راست اثر کیا ہے اور ان میں سے سندھی خاص طور پر عربی سے متاثر ہوئی ہے۔ اس براہ راست اثر کی پہلی وجہ یہ ہے کہ عرب فوج نے ۹۱ھ میں محمد بن قاسم کی زیر قیادت سندھ پر قبضہ کیا اور بعد ازاں اُن کا حلقہ اقتدار ملتان اور اس کے گرد و نواح تک پھیل گیا۔ دوسرے یہ کہ عربوں کے تجارتی تعلقات بہت ہی قدیم زمانہ سے ہندوستان کے ساتھ قائم تھے۔ حتیٰ کہ ایک لمبے عرصہ تک سندھ میں عربی زبان بولی جاتی رہی۔[۲] اس بات کی کئی دلیلوں میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ سندھی زبان اب تک عربی خط میں لکھی جاتی ہے اور اس میں بے شمار عربی الفاظ بعینہٖ موجود ہیں۔

اُردو میں عربی کے اثر کی دوسری قسم وہ ہے جو براہ راست نہیں بلکہ فارسی کے ذریعہ عربی سے اُردو میں منتقل ہوئی ہے

۱۔ George Grierson نے جو رائے اپنی کتاب Linguistic Survey of India میں اُردو زبان کے متعلق قائم کی ہے کہ یہ زبان کوئی مستقل وجود نہیں رکھتی بلکہ مغربی ہندوستانی زبان کی ایک شاخ ہے، درست نہیں ۔

۲۔ عربی زبان کے اس اثر کا اندازہ اُن بیانات سے ہو سکتا ہے جو مختلف مسلم سیاحوں نے اس علاقہ کے بارہ میں اپنے سیاحت ناموں میں لکھے ہیں۔ چنانچہ مشہور سیاح اصطخری جو آٹھویں صدی میں یہاں آیا لکھتا ہے کہ منصورہ (جس کا موجودہ نام بھکر ہے) میں عام بول چال کی زبان عربی اور سندھی ہے اور مکران کی زبان فارسی ہے۔ اسی طرح ایک اور سیاح ابن حوقل اس بات کی تائید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ منصورہ اور اسکے ارد گرد کے باشندے عربی بولتے ہیں۔ ایسے ہی المقدسی جو ۹۸۵ء میں ملتان آیا ہے لکھتا ہے کہ دیبل سمندر کے کنارے واقع ہے اور اس کے گرد تقریباً سو گاؤں آباد ہیں اور باوجودیکہ اکثر باشندے غیر مسلم ہیں تاہم پھر بھی وہ عربی اور سندھی میں بات چیت کرتے ہیں ۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فارسی زبان خود بھی عربی سے بہت زیادہ متاثر تھی جس کی وجہ ۶۳۳ء تا ۶۵۱ء کے عرصہ میں اسلامی فتوحات ہیں۔ فاتحین کی زبان نے مفتوحین کی زبان کو شکست دی اور اس طرح عربی کے بے شمار الفاظ و تراکیب فارسی میں داخل ہوگئے۔ اُردو میں اس بالواسطہ تاثیر کی سب سے بڑی وجہ مختلف اجناس کے مسلم فاتحین یعنی ترکوں، مغلوں، ایرانیوں اور افغانوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جو سب کے سب مسلمان ہونے کے باعث عربی زبان کے زیر اثر تھے۔

مندرجہ بالا تمام اسباب نے مل جل کر اس زبان کو پیدا کیا جسے آج دس کروڑ سے زیادہ مسلمان و ہندو بولتے اور لکھتے ہیں۔

اُردو میں عربی الفاظ کی مقدار و کیفیت

اُردو زبان جن دیگر زبانوں سے مل کر بنی ہے اُن میں عربی کو خاص امتیاز حاصل ہے کیونکہ اس کے الفاظ کی تعداد اُردو میں اور زبانوں سے اور خود فارسی سے بھی زیادہ ہے۔ اُردو کے ہر سَو الفاظ میں عربی کی نسبت بیس سے ساٹھ تک ہے اور یہ بات عربی کی بے پناہ قوتِ انتشار اور دوسری زبانوں پر غلبے کی بیّن دلیل ہے۔

مذکورہ بالا الفاظ کی تاریخی بناء پر تبدیلی کے لحاظ سے دو قسمیں ہیں:—

۱- پہلی قسم میں وہ الفاظ داخل ہیں جن کی شکل مختلف تغیرات کی وجہ سے بالکل مسخ ہو چکی ہے اور وہ عربی ہونے کی کوئی صفت بھی اپنے اندر نہیں رکھتے بلکہ بہت حد تک عجمی الفاظ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ الفاظ بے وطنی میں ایک لمبا زمانہ گذار چکے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ان کا ہندوستانی زبانوں میں داخل ہونے کا زمانہ عربوں کے ہندوستان کے ساتھ قبل از اسلام تجارتی تعلقات تک ممتد ہو جائے۔

۲- دوسری قسم میں وہ الفاظ شامل ہیں جو براہ راست مسلمانوں کے سندھ اور اس کے گرد و نواح کے علاقہ میں مسلط ہو جانے کے نتیجہ میں آئے یا اسی طرح وہ الفاظ جو فارسی کے ذریعہ اُردو میں داخل ہوئے وہ بھی اسی قسم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ فارسی زبان ہندوستان میں شاہی زبان کا درجہ رکھتی تھی اور کئی سو سال تک اسی مرتبہ پر قائم رہی۔ یہ آخری قسم کے الفاظ کافی حد تک عربی صفات کے حامل ہیں اور ان میں بہت سے ایسے الفاظ بھی ہیں جنہوں نے اپنی شکل بالکل تبدیل نہیں کی۔ اسی طرح بعض ضرب الامثال بھی ہو بہو اپنی اصلی ترکیب میں موجود ہیں۔

پہلی قسم میں بہت زیادہ تبدیلی ہونے کا اصل سبب یہ ہے کہ یہ الفاظ اپنے اصل خاندان سے ایک لمبا زمانہ جدا رہے اور پھر یہ کہ اُن کے ساتھ وہ سیاسی اور دینی تاثیر شامل نہیں تھی جو کسی زبان کو اپنی اصل شکل میں محفوظ رکھنے کا سب سے اہم سبب ہے۔

دوسری قسم کے الفاظ اس کے برعکس اپنے اصل سے جدائی کا عرصہ کم ہونے کی وجہ سے نیز سیاسی اور دینی نفوذ کی موجودگی کے باعث اپنے اصل پر قائم رہنے میں کافی حد تک کامیاب رہے۔ سیاسی لحاظ سے یہ فاتحین کی زبان میں شامل تھے اور اسی لئے تمام مقامی لہجات پر غالب آگئے۔ اور حکام کا لہجہ و کلام جیسا کہ ہر تسلط کے نتیجہ میں ہوتا ہے رعایا کے لئے قابلِ تقلید نمونہ بن گیا۔ اور ان الفاظ میں تبدیلی پیدا ہونے کا کوئی خدشہ نہ تھا۔ کیونکہ حکام خود اس زبان کو ایجاد کرنے والے تھے اور اس کا انتشار و ترقی خود انہیں کے زیر نگرانی تھا۔ دینی لحاظ سے جب اسلام ہندوستان میں پھیلا اور مسلمان اپنی مذہبی کتب کی طرف متوجہ ہوئے تو ان کے لئے عربی سیکھے بغیر چارہ نہ تھا۔ اسی طرح مسلمان مختلف علوم کی کتب عربی میں تالیف کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس

درس و تدریس اور تالیف کے نتیجہ میں انہوں نے اسلامی اصطلاحات کو کثرت سے استعمال کرنا شروع کر دیا اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر عربی ترکیبوں اور دیگر عربی الفاظ کو اپنے روزمرہ کلام میں داخل کرنے لگے۔

اُردو میں عربی کے ہزاروں الفاظ موجود ہیں اس لئے مطلوبہ تمیش[۱] الفاظ تک بحث کو محدود رکھنا مشکل ہے اور نہ ہی یہ تعداد صحیح طور پر اُردو میں عربی کے الفاظ کے مختلف حالات کی پورے طور پر ترجمانی کر سکتی ہے۔ لیکن باوجود اسکے میں کوشش کروں گا کہ جتنا بھی ہو سکے بحث کو محدود کیا جائے۔

وباللہ التوفیق ومنہ التسدید۔

اُردو میں آکر عربی الفاظ میں جو تغیرات ہوئے ہیں اُن کو مدِنظر رکھتے ہوئے انہیں دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اوّل وہ الفاظ جن میں معنوی و لفظی دونو قسم کے تغیرات ہوئے ہیں۔ دوسرے وہ الفاظ جو مذکورہ دونو قسم کے تغیر سے پاک ہیں۔ ترتیب کے لحاظ سے پہلے ہم اوّل الذکر قسم کو لیتے ہیں۔

تغیرات کی اقسام:۔

۱۔ تغیر معنوی	فقط لفظ میں۔
۲ تغیر لفظی	فقط لفظ میں۔
۳۔ تغیر معنوی و لفظی	فقط لفظ میں۔
۴۔ تغیر لفظی	ترکیب میں۔
۵۔ تغیر معنوی	ترکیب میں۔
۶۔ تغیر لفظی و معنوی	ترکیب میں۔

مندرجہ بالا تغیرات میں یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ اصولی طور پر تمام لفظی تغیرات قوانین ابدال و قلب و تخفیف کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں اور تمام معنوی تغیرات کا اصل سبب الفاظ کے اصل معنوں کی طرف عدم التفات اور بگڑے ہوئے معنوں کو ہر صورت میں قبول کر لینا ہے۔

قسم اوّل کے ثبوت میں مثالیں (لفظ کے اندر معنوی تغیر)

اردو میں بعض عربی الفاظ ایسے ہیں جن میں کوئی لفظی تغیر واقع نہیں ہوا لیکن وہ معنوی تغیر سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ مثلاً:۔

اُردو میں 'غریب' فقیر و مفلس کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن عربی اصل میں یہ معنے نہیں۔ اسی طرح 'معاف' درگذر کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن عربی اصل کے لحاظ سے یہ عافیت میں سے ہے۔ جس کے معنے صحت و سلامتی کے ہیں۔ ایسے ہی اُردو میں غلاظت گندگی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن عربی میں اس کے معنے اور ہی ہیں۔ اسی طرح لفظ مقدمات اُردو میں اُن قضیوں کے لئے جو عدالت میں پیش ہوتے ہیں استعمال ہوتا ہے لیکن عربی میں اس کے معنے یہ نہیں۔ پھر ملائم اُردو میں نرم کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن عربی میں اس کے معنے مناسب کے ہیں۔ مشکور اُردو میں شاکر کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن عربی میں اسکے برعکس معنے دیتا ہے۔ منظور اُردو میں مقبول کے معنوں میں ہے لیکن عربی میں ایسا نہیں۔ فوج خاص طور پر لشکر کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن عربی میں گروہ یا جماعت کے معنے دیتا ہے۔ اقبال اُردو میں بمعنی قسمت یا اعتراف ہے لیکن عربی میں یہ معنے نہیں۔ اسی طرح وجہ بمعنی سبب استعمال ہوتا ہے لیکن عربی میں یہ معنے نہیں ہیں۔

قسم دوم کی مثالیں (کلمہ کے اندر لفظی تغیر)

۱۔ لفظ امّاں و ابا۔ عربی میں 'اُمّ' اور 'اَب' ہے۔ صرف تھوڑا سا لفظی تغیر ہوا ہے۔

۲۔ ہاتھ۔ یہ دراصل عربی کا 'اَیْدی' ہے اور 'ایدی' کو مختلف صورت میں اَیدِ پڑھا جاتا ہے۔ پھر اَید قانونِ ابدال و قربِ المخارج کی وجہ سے ہَیْت ہو گیا۔ اور چونکہ اُردو میں آخری حرف ساکن ہوتا ہے اسلئے جب ہم ہَیْت کی ت کو ساکن کریں گے تو اسکی آواز سخت ہو جائے گی اور ت کی یہ سخت آواز ہاتھ کی تھ سے بالکل مشابہ ہے[۲]۔

[۲] انگریزی کا لفظ HAND بمعنی ہاتھ بھی اَید کی بدلی ہوئی صورت ہے۔

[۱] الفرقان۔ فاضل مضمون نگار نے ایک مصری مطالبہ کے جواب میں یہ مضمون دمشق کے عربی رسالہ مجلۃ المجمع العلمی میں لکھا تھا اور اب الفرقان کیلئے

۳- آب - عربی میں عابؐ ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ عجمی لوگ "ع" کو صحیح تلفظ کے ساتھ نہیں پڑھتے بلکہ الف ہی پڑھتے ہیں - اسلئے تلفظ کے لحاظ سے دونو ایک ہی ہیں - پھر عابؐ پانی کی صفات میں سے ہے اور اردو میں اسی صفت سے مرکب سو سے زیادہ الفاظ موجود ہیں - یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس صفت کے مرکبات میں سے لفظ دولاب ہے جو عربی میں استعمال ہوتا ہے اور جس کے بارے میں تمام لغت کی کتابیں متفق ہیں کہ یہ فارسی سے عربی میں آیا ہے - حالانکہ ہم اس لفظ کے اصل کو عربی زبان میں بغیر کسی لمبی چوڑی تاویل کے معلوم کر سکتے ہیں - کیونکہ اول تو یہ لفظ دو لفظوں سے مرکب ہے - ایک دَوَل اور دوسرے آب - دول کے معنے اردو میں ڈول کے ہیں - اور یہ دراصل عربی کے دَلْو سے مقلوب ہے اور یا پھر دَلْو کا ہی دوسرا عربی تلفظ ہے - جیسا کہ اقرب الموارد نے ذکر کیا ہے - اور آب جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے عابؐ ہے - پس اس صورت میں دولاب کے معنے اُس ڈول کے ہیں جس میں بڑبڑاہٹ کے ساتھ پانی بھر جائے اور یہی مفہوم عربی میں دولاب کے معنے رہٹ کے ہیں جس کے ذریعے کوئیں سے پانی نکالا جاتا ہے - اس جگہ لسان العرب کے مؤلف بھی ہماری تائید کرتے ہیں اور کہتے ہیں عبّت الدلو صوّتت عند غرف الماء -

۴- سیلاب - مذکورہ بالا تشریح کی موجودگی میں اس لفظ کا عربی اصل واضح ہے سَیل کے معنے معروف ہیں اور عابؐ سیل کی صفات میں سے ہے جیسا تمام لغت کی کتابوں سے ظاہر ہے -

۵- آگ - عربی میں آجّ ہے - اور یہ آگ کی صفات میں سے ہے اور صفت کثرت استعمال کی وجہ سے عَلَم کا قائم مقام بن گئی ہے -

۶- سیدھا - عربی سدید ہے اور اس کے بالکل وہی معنے ہیں جو اُردو میں استعمال ہوتے ہیں -

۷- صَرَد - اصل صَرْد ہے جس کے معنے ٹھنڈک یا ٹھنڈے ہیں -

مندرجہ بالا مثالیں اسماء کی ہیں - مصادر میں اسی قسم کے تغیر کی مندرجہ ذیل مثالیں بطور نمونہ عرض ہیں :-

اردو کے مصادر کو عربی اصل کی طرف لوٹانے کے کئی طریقے ہیں ان میں سے ایک طریق یہ ہے کہ اُردو کے مصدر میں علامت مصدر یعنی "نا" کو دُور کر دیا جائے مثال کے طور پر :-

۱- بنانا - نا کو دُور کیا، بنا رہ گیا جو اصل میں بناء ہے ہمزہ تخفیف کی وجہ سے گر گیا ہے -

۲- ڈالنا - علامتِ مصدر کو دُور کیا، ڈال رہ گیا - اور یہ دراصل عربی کا دَلیَ یا دَالیَ ہے جس کے معنے ڈالنے کے ہیں -

۳- ٹیکنا - علامتِ مصدر کو دُور کیا، ٹیک رہ گیا - اور یہ دراصل عربی اِتّکاء ہے پہلا الف اور آخری ہمزہ تخفیف کی وجہ سے گر گیا باقی تکا رہ گیا - جو تیک یا ٹیک ہی ہے -

نوٹ :- اُردو کی علامتِ مصدر بھی دراصل عربی کے مصدر کی تنوین کی بگڑی ہوئی صورت ہے *

(باقی دارد)

مضمون نگار حضرات سے درخواست

اہل علم و اہل قلم احباب سے درخواست ہے کہ وہ اپنے رسالہ الفرقان کے لئے علمی اور تحقیقی مقالات ارسال فرماتے رہیں جو شکریہ کے ساتھ درج ہوں گے اور ان کے الباقیات الصالحات میں شمار ہوں گے -

(ایڈیٹر)

مذاکرۂ علمیہ

یتیم پوتے کی وراثت

(از جناب چودھری احمد الدین صاحب پلیڈر گجرات)

رسالہ ترجمان القرآن جلد ۴۲ نمبر ۵ ۱۳۷۳ھ میں پوتا کی وراثت کے متعلق مولوی نعیم صدیقی صاحب کا ایک طویل مقالہ شائع ہوا ہے جس میں فاضل مقالہ نگار نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ الاقرب فالاقرب (جو متوفی کے زیادہ قریب ہو اس کو بعید پر ترجیح دی جاتی ہے) کا اصول ایک بنیادی اصول ہے۔ جس پر وراثتِ اسلام کی بنیاد قائم ہے۔ اس بنیادی اور اٹل اصول کے مطابق پوتا اپنے چچا کی موجودگی میں جو اس کے مورث دادا کے قریب تر ہے وارث نہیں ہو سکتا۔ پوتا کے ایسی صورت میں محروم الارث ہونے کا مسئلہ ایک ایسا اہم اور متنازعہ مسئلہ ہے کہ یہ کبھی دفعہ خلفاء راشدین یا تابعین یا تبع تابعین یا ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہؒ یا امام شافعیؒ یا امام احمد بن حنبلؒ یا امام مالکؒ (جو قاضی بھی رہ چکے تھے) کے سامنے پیش ہونا چاہیئے تھا اور ایک قطعی فیصلہ اس کے متعلق ہونا چاہیئے تھا۔ مگر کوئی ایسا صریح فیصلہ جو براہِ راست پوتا کی وراثت پر موثر ہو، پایا نہیں جاتا۔ نہ کوئی آیت قرآنی، نہ کوئی حدیث، صریح طور پر اس کی نسبت ملتی ہے۔ بلکہ سراجیہ میں بھی جو وراثت کے متعلق ایک مستند درسی کتاب ہے۔ جس کی بڑے بڑے فضلاء نے شرحیں لکھی ہیں اس کے متعلق کوئی نظیر یا مثال نہیں لکھی اور نہ اس کے متعلق کسی فیصلہ کا حوالہ دیا گیا ہے نہ ماہ حال کے علماء صرف الاقرب فالاقرب کے اصول پر محرومی ابن الابن (پوتا) کا فتویٰ دے رہے ہیں اور اس پر مصر ہیں کہ قائم مقامی کا اصول جس کے مطابق پوتا وارث ہو سکتا ہے۔ اسلامی اصولِ وراثت کے خلاف ہے۔ اور کہ پوتا چونکہ اولاد میں شامل نہیں ہے اسلئے اس کی موجودگی میں جو اولاد میں شامل ہے وارث نہیں ہو سکتا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ پسر کی عدم موجودگی میں اس کو والد میت کے مقابلہ پر پسر کا قائم مقام تصور کر کے اور اولاد میں شامل کر کے عصبہ کے طور پر وارث قرار دیا گیا ہے۔

تمثیل

(شریفیہ شرح سراجیہ صفحہ ۱۴۸)

زید میت جس کی وراثت کا تنازعہ ہے

بکر والد زید زندہ دعویدار وراثت	نعیم پڑپوتا دعویدار وراثت
½ حصہ بطور ذی الفرض	½ حصہ بطور عصبہ

تمثیل ہذا میں بکر والد میت دو حیثیتوں کا مالک تھا۔ یعنی بطور ذی الفرض کے اس کو ½ حصہ مل سکتا تھا۔ اور اولاد کی عدم موجودگی میں اس کو بطور عصبہ کے باقی ½ حصہ بھی مل سکتا تھا۔ مگر چونکہ پڑپوتا اولاد میں شامل تھا اسلئے اس کو صرف بطور ذی الفرض کے ½ حصہ ملا اور باقی ½ حصہ پڑپوتا کو پسر تصور کر کے بطور عصبہ کے دیا گیا اور الاقرب فالاقرب کے اصول کو توڑ دیا گیا۔ صاف ظاہر ہے کہ باپ بمقابلہ پڑپوتا کے میت کے زیادہ قریب تھا۔ یہ متوفی کی نسل کے وارث ہونے کی تمثیل ہے۔

اسی طرح ابوت کی صورت میں الاقرب فالاقرب کے اصول کو نظر انداز کیا گیا ہے اور قائم مقامی کے اصول کو اپنایا گیا ہے جیسا کہ ذیل کی تمثیل میں پڑدادا کو باپ کا قائم مقام بنا کر میت کے حقیقی بھائی کو جو پڑدادا کی نسبت میت کے زیادہ

نزدیک تھا محروم کیا گیا ہے

تمثیل ________ عامد میت میں کا وراثت کا تنازعہ ہے ________ (صفحہ ۱۱۱ سراجیہ)

کریم میت کا پڑدادا دعویدار وراثت — خالد برادر حقیقی میت

کل جائداد کا وارث بنایا گیا — محروم بمقابلہ پڑدادا کے ہوا

بہن مسلہ طلبہ دختران و دختران ابن پسر جو اولاد میت ہیں بعید تر ہے مگر اس کو عصبہ بنا کر دختران و دختران پسر کے ساتھ ⅓ حصہ باقی کا حقدار بنایا گیا ہے۔ "وما بقی فلاولی رجل ذکر" کے اصول کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک عورت کو جو کلالہ (جس کا باپ اور اولاد نہ ہو) کے ترکہ کی اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ بنکر حقدار ہو سکتی تھی وارث بنایا گیا ہے (تر لیفیہ صفحہ ۲۶، ۲۷)

تمثیل (۱) ________ متوفی ________ (صفحہ ۱۱۰ سراجیہ)

دو دختران	حقیقی بہن	علاتی بھائی
دعویدار	دعویدار	دعویدار
⅔ حصہ بطور ذات الفرض	⅓ حصہ باقی بطور عصبہ	محروم بموجودگی حقیقی ہمشیرہ

تمثیل ہذا میں اگر علاتی بھائی نہ ہوتا اور بہن عصبہ بنائی جاتی تو باقی ⅓ اس کو نہ ملتا۔ اور مطابق قاعدہ مذکورہ کے دختران کو ملتا جو ہمشیرہ سے قریب تر ہیں حقیقی بہن نے علاتی بھائی کو محروم الارث کر کے "وما بقی فلاولی رجل ذکر" کے اصول کو توڑ دیا۔

حضرت ابن عباسؓ نے جو اکابر صحابہ میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی، عالم اور مفسر قرآن تھے بہن کو بموجودگی دختر حصہ نہ دلایا تو اُن کو کہا گیا کہ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ دختر کو ½ حصہ اور بہن کو باقی ½ بطور عصبہ کے دلانا چاہیئے۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے خفا ہو کر فرمایا کہ تم لوگ زیادہ جانتے ہو یا خدا جس نے فرمایا "اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ" "اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہو تو اس کو نصف ملنا چاہیئے" (اس آیہ کریمہ میں ولد میں دختر بھی شامل ہے جو بہن کو وراثت سے خارج کرتی ہے جس طرح والدہ کو بھائی بہنیں بوجہ حجب بجائے ⅓ حصہ کے ⅙ حصہ لینے پر مجبور کرتے ہیں۔ اور خاوند کو اولاد متوفیہ بجائے ½ حصہ کے ¼ حصہ لینے پر مجبور کرتی ہے۔ اور زوجہ کو اولاد متوفی بجائے ¼ حصہ کے ⅛ حصہ لینے پر مجبور کرتی ہے۔ پس بہن کو اولاد متوفی (مذکر ہو یا مؤنث) کی موجودگی میں حصہ نہیں مل سکتا۔ البتہ وہ ہمراہ برادر عصبہ بنکر وارث ہو سکتی ہے بذات خود عصبہ نہیں بن سکتی۔ بلکہ ایک عصبہ کے ساتھ مل کر عصبہ بن سکتی ہے۔ دختر چونکہ بذات خود عصبہ نہیں ہوتی اسلئے بہن بھی اسکے ساتھ مل کر عصبہ نہیں ہو سکتی" (تر لیفیہ صفحہ ۲۶، ۲۷)

تمثیل (۲) ________ متوفی ________ (صفحہ ۱۱۰ سراجیہ)

دو پوتیاں	ایک حقیقی بہن	ایک علاتی بھائی
⅔ حصہ بطور ذات الفرض	⅓ حصہ بطور عصبہ	محروم بموجودگی خواہر حقیقی

یہاں پوتیوں کو بیٹیوں کا قائم مقام بنا کر ⅔ حصہ دلایا گیا ہے اور ان کو اولاد میں شامل کیا گیا ہے اور بہن کو جو اُن سے بعید تر ہے وارث بطور عصبہ کے بنایا گیا ہے اور "الاقرب فالاقرب" اور "وما بقی فلاولی رجل ذکر"

کے اصول کو توڑا گیا ہے اور علاتی بھائی کو جو عصبات میں سے ہے محروم الارث کیا گیا ہے۔

تمثیل (۳) متوفی (صفحہ ۱۱ سراجیہ)

دختر	پڑپوتی	چچازاد بھائی
½ بطور ذات الفرض	⅙ تکملہ للثلثین	⅓ حصہ بطور عصبہ

یہاں دختر کی موجودگی میں جو قریب تر ہے پڑپوتی کو جو بعید تر ہے وارث بنا کر الاقرب فالاقرب کے اصول کو ترک کیا گیا ہے۔

تمثیل (۴) متوفی (صفحہ ۱۱ سراجیہ)

حقیقی بہن	علاتی بہن	چچازاد بھائی
½ بطور ذات الفرض	⅙ تکملہ للثلثین	⅓ بطور عصبہ

تمثیل ہذا میں حقیقی بہن، باپ اور ماں کی طرف سے متوفی کو ملتی ہے اور علاتی بہن صرف باپ کی طرف سے ملتی ہے اسلئے وہ بنسبت حقیقی ہمشیرہ کے بعید تر ہے مگر اس کو وارث بنایا گیا ہے۔ اور الاقرب فالاقرب کے اصول پر عمل نہیں کیا گیا۔

تمثیل (۵) متوفی

پوتی (جو ایک پسر کی لڑکی ہے)	پڑپوتی (جو دوسرے پسر کی پوتی ہے)	چچازاد بھائی
½ بطور ذات الفرض	⅙ حصہ تکملہ للثلثین	⅓ بطور عصبہ

تمثیل ہذا میں پوتی کو لڑکی کا قائم مقام بنا کر ½ دیا گیا اور پڑپوتی کو پوتی کا قائم مقام بنا کر ⅙ حصہ تکملہ للثلثین دیا گیا۔ اور اس طرح قریب تر کی موجودگی میں بعید تر کو وارث بنایا گیا اور الاقرب فالاقرب کے اصول کو نظر انداز کیا گیا۔

تمثیل (۶) متوفی

دو دختران	پوتی	پڑپوتا
⅔ حصہ بطور ذات الفرض	⅓ باقی کا ⅓ = ⅑ بطور عصبہ ہمراہ پڑپوتا	⅓ باقی کا ⅔ = $\frac{2}{9}$ بطور عصبہ بذاتہٖ

تمثیل ہذا میں دختران قریب تر کی موجودگی میں پوتی کو جو بعید تر ہے پڑپوتا کے ہمراہ وارث بنا کر الاقرب فالاقرب کے اصول کو توڑا گیا ہے اور پوتی کو پڑپوتی کا قائم مقام بنایا گیا ہے۔

تمثیل (۷) متوفی

دو ہمشیرگان حقیقی	ایک علاتی ہمشیرہ	ایک علاتی بھائی
⅔ حصہ بطور ذات الفرض	⅓ باقی کا ⅓ = ⅑ بطور عصبہ ہمراہ برادر علاتی	⅓ باقی کا ⅔ = $\frac{2}{9}$ بطور عصبہ بذاتہٖ

تمثیل ہذا میں حقیقی ہمشیرگان کی موجودگی میں جو علاتی ہمشیرہ کی حاجب تھیں علاتی بہن کو عصبہ ہمراہ برادر علاتی بنا کر وارث بنایا گیا ہے جو اصول الاقرب فالاقرب کے خلاف ہے۔

تمثیل (۵)

متوفی

ہمشیرہ حقیقی	پوتی	دختر
$\frac{1}{3}$ حصہ باقی بطور عصبہ	$\frac{1}{6}$ حصہ بطور ذات الفرض تکملۃ للثلثین	$\frac{1}{2}$ حصہ بطور ذات الفرض

تمثیل ہذا میں دختر کی موجودگی میں جو قریب تر ہے، پوتی اور بہن کو وارث بنایا گیا ہے جو بعید تر ہیں۔ اور بہن کو عصبہ بذاتہ بنایا گیا ہے حالانکہ بہن عصبہ بذاتہ نہیں ہوتی، صرف اپنے بھائی کے ہمراہ کلالہ (جس کی اولاد اور باپ نہ ہو) کی وارث بطور عصبہ ہو سکتی ہے مگر یہاں متوفی کلالہ نہیں ہے اس کی اولاد میں سے دختر موجود ہے۔

پوتے کو چاہے کتنا ہی نچلے درجہ کا ہو بیٹے کا قائم مقام بنا کر وارث قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح پوتی کو چاہے کتنی ہی نچلے درجہ کی ہو بیٹی قرار دیکر ترکہ متوفی دلایا گیا ہے۔ دیکھو تمثیلات ذیل:۔

تمثیل (۱)

متوفی

پوتی	پوتا
$\frac{1}{3}$ حصہ بطور قائم مقام دختر	$\frac{2}{3}$ حصہ بطور قائم مقام پسر

تمثیل ہذا میں پوتا اور پوتی کو اولاد میں شامل کرکے للذکر مثل حظ الانثیین (مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہو) کے اصول پر جو بیٹا اور بیٹی کے لئے ہے، وارث بنایا گیا ہے۔

تمثیل (۲)

متوفی

برادر حقیقی	پوتی
$\frac{1}{2}$ حصہ باقی بطور عصبہ	$\frac{1}{2}$ حصہ بحیثیت قائم مقام دختر بطور ذات الفرض

تمثیل ہذا میں پوتی کو دختر کی حیثیت دیکر وارث بنایا گیا ہے اور اس کو اولاد میں شامل کیا گیا ہے۔

تمثیل (۳)

متوفی

پسر	دختر
دختر	دختر دعویدار وراثت
دختر دعویدار وراثت	$\frac{1}{2}$ حصہ بحیثیت قائم مقام
$\frac{1}{6}$ حصہ تکملۃ للثلثین ہمراہ دختر مفروضہ	حالانکہ خود جو دختر متوفی ہے

باقی $\frac{1}{3}$ حصہ دونوں کے حصوں کے تناسب سے ان پر رد کیا تو دختر ۱ کو $\frac{1}{4}$ مزید ملا اور دختر ۲ کو $\frac{1}{12}$ مزید ملا۔ اسی طرح دختر ۱ کا کل حصہ $\frac{1}{2} + \frac{1}{4} = \frac{3}{4}$ ہوا۔

اور دختر ۲ کا کل حصہ $\frac{1}{6} + \frac{1}{12} = \frac{3}{12} = \frac{1}{4}$ ہوا۔ یہ حصص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلہ کے مطابق ہیں جو عالم خلیفہ وقت تھے۔ دختر ۲ بعید تر تھی اس کو اپنی ماں کا جو پوتی تھی قائم مقام بنا کر پوتی کی حیثیت دی۔ اور دختر ۱ کو اپنی ماں کی جو دختر متوفی تھی قائم مقام بنا کر اس کو دختر متوفی قرار دیا۔ صاف ظاہر ہے کہ دختر ۲ بہ نسبت دختر ۱ کے اسی طرح بعید تر تھی جس طرح

پوتا بہ نسبت پسر متوفی کے بعید تر ہوتا ہے مگر اس کو اپنی ماں کی قائم مقام بنا کر حق وار وراثت بنا دیا اور دختر کی موجودگی اس کی حاجب نہ رہی۔ اسی طرح اگر پوتا کو پسر متوفی کا قائم مقام قرار دیا جائے تو وہ پسر متوفی کے ساتھ بہ آپ کا حق دار بن جاتا ہے۔ (شریفیہ صفحہ ۱۰۰)

تمثیل (۳) —— متوفی

دو پوتیاں	والدہ	والد
$\frac{2}{3}$ بطور ذوات الفرض	$\frac{1}{6}$ حصہ	$\frac{1}{6}$ حصہ

تمثیل ہذا میں پوتیوں کو اولاد متوفی میں شامل کرکے دو دختران کا حصہ دلایا گیا۔ اور والدہ کو جو اولاد نہ ہونے کی صورت میں $\frac{1}{3}$ حصہ یعنی $\frac{1}{6}$ حصہ اولاد کو موجود تصور کرکے دلایا گیا ہے۔

تمثیل (۴) —— متوفی

پوتا	والدہ	والد
$\frac{2}{3}$ بطور عصبہ بحیثیت قائم مقام ولد (پسر)	$\frac{1}{6}$ بطور ذات الفرض	$\frac{1}{6}$ حصہ بطور ذی الفرض

تمثیل ہذا میں پوتا کو ولد (پسر) تصور کرتے ہوئے باپ کے مقابلہ پر جو متوفی کے قریب تر تھا عصبہ بنایا گیا ہے اور اسکو باقی $\frac{2}{3}$ حصہ دلایا گیا ہے۔ اور والدہ کا $\frac{1}{3}$ حصہ جو اس کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں ملتا گھٹا کر $\frac{1}{6}$ حصہ کیا گیا ہے۔

تمثیل (۵) —— متوفی

زوجہ	پوتا	پوتی
$\frac{1}{8}$ حصہ بطور ذات الفرض	$\frac{7}{8}$ کا $\frac{2}{3}$ = $\frac{7}{12}$ بطور عصبہ	$\frac{7}{8}$ کا $\frac{1}{3}$ = $\frac{7}{24}$ بطور عصبہ

تمثیل ہذا میں پوتا اور پوتی کو اولاد میں شامل کرکے زوجہ کو بجائے $\frac{1}{4}$ حصہ کے جو اس کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں ملتا $\frac{1}{8}$ حصہ دلایا گیا اور باقی $\frac{7}{8}$ حصہ پوتا اور پوتی کو بیٹا اور بیٹی تصور کرکے للذکر مثل حظ الانثیین کے قاعدہ کے مطابق جو بیٹا اور بیٹی کے لئے مقرر ہے تقسیم کیا گیا ہے۔

تمثیل (۶) —— متوفیہ

شوہر	پوتا
$\frac{1}{4}$ حصہ بطور ذی الفرض	$\frac{3}{4}$ حصہ بطور عصبہ بحیثیت پسر متوفیہ

تمثیل ہذا میں پوتا کو پسر تصور کرتے ہوئے $\frac{3}{4}$ حصہ باقی دلایا گیا اور شوہر کا $\frac{1}{2}$ حصہ جو اس کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں ملتا گھٹا کر $\frac{1}{4}$ حصہ کیا گیا ہے۔

پوتا کے وارث بننے خود ہونے کا حاجب صرف اس کا باپ تھا۔ جب وہ مر گیا تو حجب اُٹھ گیا اور اس کے وارث ہونے میں کوئی امر مانع نہ رہا۔ چچا کی موجودگی اس کے راستہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ اس کے شرعی حصہ کا مطالبہ نہیں کرتا۔ بلکہ اپنا حق بخطِ مستقیم مانگتا ہے جو انصافاً اس کو ملنا چاہیئے۔ اور حکومتِ وقت کا فرض ہے کہ اس کو اسکا حق دلانے میں ہر ممکن کوشش کرے اور جائداد ہوتے ہوئے اس کو گداگری پر مجبور نہ کرے۔ اگر اولاد بھی اقربین میں شامل تھی اور آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ کے مطابق شامل تھی تو والد کی موجودگی میں بیٹا اقرب ہوا۔ وارث

ہونے کے لئے بیٹے کا حاجب والد تھا جب وہ الدفوت ہوگیا تو بیٹا جو ویسا ہی اقرب تھا جیسا اس کا باپ اپنے چچا کے ساتھ وارث ہوگیا۔ اگر پوتا والد متوفی کو بطور عصبہ وارث نہیں ہونے دیتا، اگر متوفی کا پڑدادا اسکے برادر حقیقی کو وراثت سے خارج کرتا ہے، اگر دختران کی موجودگی میں بہن وارث ہوسکتی ہے، اگر دختران کی موجودگی میں پڑپوتی وارث ہوسکتی ہے، اگر پوتی کی موجودگی میں پڑپوتی وارث ہوسکتی ہے، اگر حقیقی ہمشیرہ کی موجودگی میں علاتی ہمشیرہ وارث ہوسکتی ہے تو پوتا بحیثیت قائم مقام والد اپنے چچا کی موجودگی میں کیوں وارث نہیں ہوسکتا؟

اگر پوتا اور پوتی مل کر دختر اور پسر کی طرح (انکی قائم مقام ہونیکی حیثیت سے) للذکر مثل حظ الانثیین کے اصول پر ورثہ پاتے ہیں، اگر ایک پوتی ہو اور وہ دختر کی حیثیت سے ½ حصہ ترکہ کی حقدار ہوسکتی ہے، اگر دو پوتیاں ہی ہوں اور وہ دو دختران کی حیثیت سے ⅔ حصہ ترکہ کا پاتی ہیں، اگر پوتا یا پوتی دادی والدہ متوفیہ کو بجائے ⅙ حصہ کے جو اس کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں ملتا ½ حصہ لینے پر بحیثیت اولاد مجبور کرتے ہیں، اگر بیٹا نہ ہونے کی صورت میں پوتا بطور پسر کے وارث ہوسکتا ہے، اگر پوتا یا پوتی بیوہ متوفی کو بجائے ¼ حصہ کے جو اس کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں ملتا بیٹا یا بیٹی بن کر ⅛ حصہ دلاتے ہیں، اگر پوتا یا پوتی شوہر کو بجائے ½ حصہ کے جو اس کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں ملتا بیٹا یا بیٹی بن کر ¼ حصہ لینے پر مجبور کرتے ہیں، اگر بقول حضرت علیؓ نواسی اپنی والدہ کی قائم مقام ہوکر ½ حصہ اور پوتی کی بیٹی ہمراہ نواسی اپنی والدہ پوتی کی قائم مقام بن کر ⅙ حصہ تکملۃ الثلثین کے طور پر لے سکتی ہے تو پھر پوتا بحیثیت قائم مقام والد خود اپنے چچا کے ساتھ دادا کا وارث کیوں نہیں ہوسکتا!

مصر میں جو پاکستان کی طرح زراعتی ملک ہے جہاں زمیندار مالکان اراضی ہیں یتیم پوتے کے بموجودگی عم خود وارث ہونے کا سوال واضعان قانون کے سامنے اٹھایا گیا تھا۔ انہوں نے اس مسئلہ کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے علماء کرام کی ایک کمیٹی بنا کر ان کے سامنے یہ سوال رکھ دیا۔ جید علماء کی کمیٹی نے بطور متبادل یہ تجویز کی اور اسکے مطابق مندرجہ ذیل قانون نافذ ہوا:۔

"یتیم پوتے کی صورت میں دادا کے لئے لازمی ہے کہ وہ یتیم پوتے کے حق میں اپنی جائداد کے ⅓ حصہ تک وصیت کر جائے۔ اگر وہ وصیت نہ کر سکا ہو تو متصور کر لیا جائے کہ اس نے ⅓ حصہ کی وصیت کر دی۔ نیز اگر اس نے کسی وصیت کے ذریعے سے اپنے پوتوں، پوتیوں اور نواسوں، نواسیوں وغیرہ کے علاوہ کسی اور رشتہ دار کے حق میں وصیت کی ہو تو یہ وصیت ⅓ حصہ ترکہ کے اس ما بقی کی حد تک پوری ہونی چاہیئے جو یتیم پوتوں پوتیوں اور نواسوں نواسیوں کو مقدم قرار دی وصیت کے مطابق ان کا حق ادا کر دینے کے بعد بچ رہے۔" (المواریث الاسلامیہ دفعہ ۷۶ اور ۱۳۰ مولفہ اظہر کامل ۱۹۶۰ء)

اگر یتیم پوتا کو غیر وارث قرار دیا جائے تو اس کے حق میں ⅓ حصہ جائداد کی وصیت مسلمہ طور پر کی جا سکتی ہے۔ اسلئے اگر مصری قانون کے مطابق وصیت کو لازمی قرار دیا جائے اور وصیت نہ ہوسکنے کی صورت میں تصور کر لیا جائے کہ ⅓ حصہ کی وصیت ہوئی تو بڑی حد تک پوتا کی حق رسی ہوسکتی ہے اور اس پر کوئی فقہی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ اسلئے اگر چودھری محمد اقبال چیمہ صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈووکیٹ سیالکوٹ جنہوں نے شریعت اپلیکیشن ایکٹ پنجاب کی ترمیم متعلق پسر پسر متوفی پنجاب اسمبلی میں پیش کی ہوئی ہے بطور متبادل مصری قانون مندرجہ بالا کی طرح کا ایک ایکٹ ترمیمی پیش کر دیں تو وہ ان کی پہلی ترمیم کے مسترد ہونے کی صورت میں ضرور پاس ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کی مخالفت اغلباً نہیں ہوگی۔

وید منتر اور ان کے رشی

ہندو محققین کا خیال ہے کہ وید منتروں کے ساتھ جو رشیوں کے نام ہیں وہ ان کے مصنفین کے نام ہیں سوامی دیانند جی نے اس نظریہ کی نہایت رکیک اور کمزور توجیہ کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

سوال- وید سنسکرت زبان میں ظاہر ہوئے اور اگنی وغیرہ رشی لوگ اس سنسکرت زبان کو نہیں جانتے تھے پھر انہوں نے ویدوں کے معنے کیسے سمجھے۔

جواب- پرمیشور نے جتلایا اور مہاتما یوگی مہرشی لوگ جب جب جس جس منتر کے معنی جاننے کی خواہش سے توجہ کو یکسو کر کے پرمیشور کی ہستی میں سمادھی (مراقبہ) کے اندر قائم ہوئے تب تب پرماتما نے مطلوبہ منتروں کے معنی جتلائے۔ جب بہت لوگوں کی آتماؤں میں وید کے معنی ظاہر ہوئے تب رشی منیوں نے وہ معنی مہرشی منیوں کی روایات کے کتابوں میں لکھے ان کا نام برہمن" یعنی برہم جو یعنی وید ہے اسکی شرح ہونیکے باعث برہمن نام رکھا گیا ہے جس جس منتر کے معنی کا انکشاف جس جس رشی کو ہوا اور پہلے ہی ہوا تھا اس سے پیشتر اس منتر کے معنی کسی نے ظاہر نہیں کئے تھے۔ نیز ان نے دوسروں کو پڑھایا بھی تھا۔ اس تو ضیح کیلئے آج تک اس اس منتر کے ساتھ رشی کا نام بطور یادگار لکھا چلا آتا ہے۔ جو شخص کہ رشیوں کو منتروں کا مصنف بتلاوے اسکو غلط سمجھنا چاہیئے۔ وہ تو منتروں کے معنی کو ظاہر کرنیوالے ہیں"

(ستیارتھ پرکاش باب ۷ صفحہ ۳۱۱)

اس اقتباس سے ویدوں کی حقیقت اور انکے مفہوم کے بارے میں صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی کتاب نہ عالمگیر ہو سکتی ہے اور نہ ہی سارے زمانوں پر حاوی ہو سکتی ہے۔

آریہ سماجیوں کو قرآن مجید کے عالمگیر کتاب قرار دینے پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے ایشور کی جنبہ داری لازم آتی ہے۔ کیونکہ کچھ لوگ عربی زبان کو جانتے ہیں اور باقیوں کو یہ زبان محنت سے سیکھنی پڑے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ ویدوں کی زبان رشی نہ جانتے تھے، ایشور نے ان کو تو خود بتلا دیا اور باقی دنیا کو ان کا محتاج کر دیا۔ کیا ایشور باقی لوگوں کو خود نہیں بتلا سکتا تھا؟ حالانکہ یہ رشی اور ان کی زندگی کے حالات دنیا بھر کے لئے تاریکی میں ہیں۔ کیا یہ جنبہ داری نہیں؟

یہ بھی تو سوچئے کہ اگر پہلے پہل وید کے معنے جاننے کے لئے الہام الٰہی کی ضرورت تھی تو آج کیوں نہیں؟ نیز یہ کہ ان رشیوں پر الہام کس زبان میں ہوا تھا؟ اگر کہو کہ سنسکرت زبان میں ہی ان کو سمجھایا گیا تھا تو بات وہیں آجائیگی۔ کیونکہ اس زبان کو تو رشی جانتے نہ تھے۔ اور اگر کہو کہ کسی اور زبان میں سمجھایا تھا جسے رشی جانتے تھے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ سنسکرت کے علاوہ دوسری زبان میں بھی اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے اس سے بھی آریوں کا اصول غلط ثابت ہوا۔

ایک نہایت اہم سوال یہ ہے کہ رشیوں والے معنے تو سناتن دھرمی مانتے چلے آتے ہیں مگر سوامی دیانند جی نے صدہا منتروں کے معنے پرانے معنوں کے خلاف کئے ہیں خصوصاً ان منتروں کے معنے جن سے سوامی جی نے سناتنیوں کے خلاف نیوگ وغیرہ مسائل کا استدلال کیا ہے۔ بتایا جائے کہ دیانند جی کو منتروں کے نئے معنے کرنے کا کیا حق تھا۔ کیا انکو بھی ایشور نے یہ معنے بتائے ہیں؟ آریوں کے نزدیک تو ابتداء آفرینش کے بعد سلسلۂ الہام بند ہے۔

معبودِ حقیقی کے اسم ذات "اللہ" ....

(بقیہ از صفحہ ۲۴)

جب قوم انباط کے کتباتِ قدیمہ میں اللہ کا لفظ اپنی صحیح شکل میں معبودِ حقیقی کے لئے موجود ہے تو پھر اس قوم کے دوسرے کتبات میں دیوتاؤں کے نام کے لئے "الاھا" کے لفظ کو اللہ سمجھنا ایک غلطی ہے۔

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ "الاھا" آرامی لفظ ہے جو کہ خدا تعالےٰ کے لئے اور دوسرے معبودوں کیلئے برابر استعمال ہوتا ہے یہی لفظ عبرانی میں الوھا ہے۔ تورات میں الوھا یا الوھیم خدا تعالیٰ کے لئے اور ہر قسم کے معبودوں کے لئے مستعمل ہے۔ (دانیال ۲۸، ۲۰/۱۱ تواریخ ۲ ۱۵/۳۲، حبقوق ۱/۱۱، ایوب ۳/۱۲)

قوم انباط کی روزمرہ کی زبان عربی تھی لیکن ان کی علمی زبان آرامی تھی۔ عربی رسم الخط موجود نہ ہونے کی وجہ سے وہ آرامی حروف استعمال کرتے تھے۔ (تاریخ عرب از حتّی صفحہ) اس وضاحت کے پیش نظر غور کیجئے کہ قوم انباط اپنے دیوتاؤں کے لئے لفظ اللہ استعمال نہیں کرتی بلکہ الاھا کرتی ہے۔ اللہ ازل سے صرف ہستی باری تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے لیکن آرامی الاھا اور عبرانی الوھا ہر قسم کے معبودوں کے لئے رائج ہے۔ افسوس کہ دیوتاؤں کے نام کے آگے الاھا کا لفظ دیکھ کر ولہاسن یہ سادہ نتیجہ اخذ نہ کر سکے کہ الاھا کے لفظ سے دیوتاؤں کو صرف معبود قرار دینا مقصود ہے۔ اس کی بجائے ولہاسن نے ایک عجیب و غریب نظریہ پیش کر دیا جو کہ مضحکہ خیز اور بے حقیقت ہے۔

الفرقان کی توسیع اشاعت میں حصہ لیکر

خدمتِ قرآن کا ثواب حاصل کیجئے!

انعامی مقالہ کا نتیجہ

مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کے زیر اہتمام بعنوان "وہ زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی" جس آل پاکستان انعامی تحریری مقابلہ کا انتظام کیا گیا تھا باوجودیکہ یہ مجلس کی پہلی کوشش تھی اور دوسری مجالس سے صحیح رابطہ قائم نہ ہو سکا پھر بھی اکثر خدام نے اپنے مقالہ جات پیش کر کے اسکو کامیاب بنانے کی کوشش کی۔

(۱) پروفیسر پرویز پروازی صاحب فسٹ ایر ٹی۔ آئی کالج ربوہ ۹۵/۱۰۰
(۲) عبدالرحمٰن صاحب معصوم لیاقت آباد میانوالی ۹۵
(۳) محمد اسحٰق صاحب خلیل حلقہ بج ربوہ ۹۰

نمبر لیکر علی الترتیب اول، دوم، سوم آئے ہیں۔ خدا تعالےٰ یہ کامیابی ان کے لئے مبارک کرے۔ انشاء اللہ سالانہ اجتماع کے موقع پر انہیں انعامات دیئے جائیں گے۔

خاکسار محمد اشرف ناصر
ناظم تعلیم مجلس خدام الاحمدیہ۔ لاہور

احباب کے لئے مفید رسالے اور کتابیں

(۱) رسالہ الفرقان کا "قرآن نمبر"۔ صفحات یکصد قیمت ایک روپیہ
(۲) " " کا "خاتم النبیین نمبر" " " " "
(۳) " " کا "خلافت نمبر" " " " "
(۴) تفہیماتِ ربانیہ بجواب عشرہ کاملہ (صرف ایک نسخہ آیا ہے، کتاب نایاب ہے) قیمت دس روپے۔
(۵) فتوحاتِ الٰہیہ۔ سورۃ فاتحہ کے متعلق آریوں اور عیسائیوں کے اعتراضات کے جوابات۔ قیمت بارہ آنہ

نوٹ۔ علاوہ ازیں سلسلہ احمدیہ کی جملہ کتب ہمارے ذریعہ طلب فرمائیں!

مینیجر مکتبہ الفرقان۔ احمد نگر، ربوہ

سلسلۂ وار ترجمہ اور تفسیر

البیان

قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ مختصر و مفید تفسیری حواشی کیساتھ

یٰبَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ

اے بنی اسرائیل میرے اس احسان کو یاد کرو جو میں تم پر کر چکا ہوں۔

عَلَیۡکُمۡ وَ اَوۡفُوۡا بِعَہۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَہۡدِکُمۡ ۚ وَ

اور (تم نے) میرے (ساتھ جو) عہد (کیا تھا اس) کو پورا کرو تب (میں نے) تمہارے (ساتھ جو) عہد (کیا تھا)

شکہ اسرائیل - حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔ بائیبل میں لکھا ہے:- (الف) "اور خدا نے اسے (یعقوب کو) کہا کہ تیرا نام یعقوب ہے۔ تیرا نام آگے کو یعقوب نہ کہلائیگا بلکہ تیرا نام اسرائیل ہو۔ سو اس نے اس کا نام اسرائیل رکھا" (پیدائش ۳۵/۱۰) (ب) "تب اس خدا نے اس (یعقوبؑ) سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے؟ وہ بولا کہ یعقوب۔ اس نے کہا تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا کہ تو نے خدا اور خلق کے پاس قوت پائی اور غالب ہوا" (پیدائش ۳۲/۲۷، ۲۸)۔

اسرائیل کے معنے "خدا کا بہادر اور مضبوط بندہ" کے ہیں۔ تاج العروس میں اسکے معنے صَفْوَۃُ اللّٰہ اور عَبْدُ اللّٰہ کے کئے گئے ہیں۔ بنی اسرائیل سے مراد نسلِ یعقوبؑ ہے۔ بنی اسرائیل یہود کا قومی نام ہے۔

لکہ وَاذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ - کسی نعمت کا ذکر دو معنے رکھتا ہے (۱) تم اس نعمت کو بھول گئے ہو اُسے یاد کرو (۲) تم اس نعمت کی پوری قدر نہیں کرتے ہو، اس نعمت کا حق ادا نہیں کرتے ہو۔ اسکی قدر کرو اور اس کا حق ادا کرو۔ بنی اسرائیل کو نعمت یاد دلانے کی اسلئے ضرورت پیش آئی تھی کہ وہ اسکی قدر نہیں کرتے تھے۔ نیز ان کے نعمت کو بیان کرنے سے ان پر اتمام حجت ہوتی تھی۔

شکہ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ کہہ کر اس خاص نعمت کی طرف توجہ دلائی ہے جو بنو اسرائیل پر خاص طور پر ہوئی تھی۔ اس خاص نعمت کو دوسری جگہ پر یوں بیان فرمایا ہے۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا وَّاٰتٰىکُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (المائدہ ع ۴) کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اللہ کی اس نعمت کو ہمیشہ یاد رکھو جو تم پر ہوئی ہے کہ اس نے تم میں انبیاء مبعوث فرمائے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تم کو وہ انعامات دیئے جو اس وقت کسی اور قوم کو نہیں دیئے۔" نبوت روحانی نعمتوں کی انتہاء ہے اور بادشاہت مادی نعمتوں کی انتہا۔ دونوں جہتوں سے بنی اسرائیل پر اتمامِ نعمت کیا گیا۔

إِيَّايَ فَارْهَبُونِ ○ وَآمِنُوا بِمَا أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا

مجھ (ہی) سے (ڈرو) پھر (میں کہتا ہوں کہ) مجھ (ہی) سے ڈرو۔ اور اس کلام پر ایمان لاؤ جو میں نے (اب) اتارا ہے۔

لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ ۖ وَلَا

اور جو اس (کلام) کو جو تمہارے پاس ہے سچا کرنیوالا ہے اور تم اس کے (سب سے) پہلے کافر نہ بنو۔ اور میری آیتوں کے

تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ○

بدلے میں تھوڑی قیمت مت لو۔ اور مجھ (ہی) سے (ڈرو) پھر (میں کہتا ہوں کہ) مجھ (ہی) سے ڈرو۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ

اور جانتے بوجھتے ہوئے حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ۔ اور نہ حق کو چھپاؤ

ھٰکہ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ۔ قرآن مجید سابقہ الہامی کتب کا مصدق ہے۔ تصدیق یا قولی ہوتی ہے یا عملی۔ قرآن مجید پہلی کتب کی صداقتوں کو سچا قرار دیتا ہے اور انکی برقرار رکھی جانیوالی تعلیمات پر حاوی ہے اسلئے وہ قولی طور پر بھی ان کتب کا مصدق ہے۔ پھر چونکہ قرآن مجید تورات و انجیل اور دیگر صحف سماویہ کی پیشگوئیوں کے مطابق نازل ہوا اسلئے وہ عملاً بھی ان کتب کا مصدق ہے۔ اگر قرآن مجید کا نزول نہ ہوتا تو قرآن کے متعلق پہلے صحیفوں کی پیش خبریاں (معاذاللہ) غلط ثابت ہوتیں۔ پس اہل کتاب پر لازم ہے کہ قرآن مجید پر ایمان لائیں اسلئے بھی کہ قرآن مجید اپنی ذات میں صداقت کا علمبردار ہے اور اسلئے بھی کہ قرآن مجید کے آنے سے بائیبل کی صدہا پیشگوئیاں پوری ہوگئیں۔ مثلاً کتاب استثنا میں لکھا تھا کہ:۔ (الف) "میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہیگا" (استثناء ۱۸/۱۸)۔ (ب) "اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی" (استثناء ۳۳/۲)

بھلا بتلائیے کہ اگر کلام اللہ قرآن مجید کی شریعت بیضاء نازل نہ ہوتی اور فاران کی وادیوں سے حضرت موسیٰؑ کے مثیل سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم جلوہ گر نہ ہوتے تو یہ پیشگوئیاں کیونکر پوری ہوتیں؟

ھٰکہ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ۔ یہودیوں پر اتمام حجت کے بعد انہیں کفر سے ڈرایا ہے اور فرمایا کہ تمہیں لوگوں کیلئے اچھا نمونہ پیش کرنا چاہیئے۔ ایسا نہ کرنا چاہیئے کہ آپ لوگ دوسروں کیلئے کافر بننے میں نمونہ بنیں۔ اہل کتاب ہوکر اول کافر بننا بہت زیادہ ملامت کا مستحق بناتا ہے۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں :۔ "وقوله تعالى وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ فمعناه انا المقتدى بى فى الاسلام والايمان وقال تعالى وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ اى لا تكونوا ممن يقتدى بهم فى الكفر" (المفردات) کہ اول المسلمین اور اول المومنین کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص اسلام اور ایمان میں نمونہ اور مقتدا ہوتا ہے اسی طرح لَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ کے معنے یہ ہیں کہ تم ایسے لوگ نہ بنو کہ جن کو لوگ کفر میں اپنا لیڈر اور مقتدا قرار دیں۔

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۵۰ ○ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۵۱ وَاٰتُوا

اور نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دو

الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○ اَتَاْمُرُوْنَ

اور خدا کی خالص پرستش کرنیوالوں کے ساتھ مل کر خدا ہی کی خالص پرستش کرو۔ کیا تم (دوسرے)

النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ۵۲ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ

لوگوں کو (تو) نیکی کرنے کے لئے کہتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کر دیتے ہو حالانکہ تم (اپنی) کتاب پڑھتے

الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ وَاسْتَعِيْنُوْا ۵۳ بِالصَّبْرِ

ہو۔ پھر بھی کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے اور صبر اور دعا کے ذریعہ (اللہ سے) مدد مانگو

۵۰ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ واؤ حالیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ کتمانِ حق اور حق و باطل کے خلط ایسے جرائم تم سے نادانستہ سرزد نہیں ہو رہے ہیں تم یہ سب کارروائیاں انکی قباحت کو جانتے بوجھتے کرتے ہو اسلئے تمہارا جرم بہت زیادہ ہے۔ نیز چونکہ تَعْلَمُوْنَ کا مفعول بہ حذف کیا گیا ہے اسلئے اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ تم اہلِ علم لوگ ہو کر ایسی گھناؤنی حرکات کرتے ہو جو تمہارے منصب کے صریح منافی ہیں۔

۵۱ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ میں بنی اسرائیل کو تعلق باللہ کی طرف توجہ دلائی ہے اور اٰتُوا الزَّكٰوةَ میں بنی نوع انسان کی بھلائی کو نصب العین بنانے کی طرف انہیں متوجہ کیا گیا ہے۔ اور وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ میں کامل توحید کے ساتھ ساتھ جماعتی نظام کی مخلصانہ پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔ اقامتِ صلوٰۃ کے معنے نماز کو تمام شرائط اور ارکان کے ساتھ ادا کرنے کے ہیں۔ لفظ رکوع کے معنے از روئے لغت جھکنے اور فروتنی کرنے کے ہیں۔ اگر رکوع سے نماز والا اصطلاحی رکوع مراد لیا جائے تو گویا یہ بطور تاکید ہے۔ اسمیں بنی اسرائیل کو مسلمانوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں والی نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اگر لفظ رکوع سے عام تواضع اور فروتنی مراد لی جائے جیسا کہ المفردات میں یہ معنے بھی لکھے ہیں تو اس سے نخوت و غرور کو چھوڑ کر اسلامی نظام کی پابندی کا حکم ظاہر ہے۔

۵۲ بے شک لوگوں کو نیکی کا حکم دینا اچھی بات ہے مگر اپنے آپ اور اپنے خاندان کو نظر انداز کرنا یعنی انکی اصلاح کا خیال نہ رکھنا یقیناً غلط نظریہ ہے۔ اس آیت سے بعض لوگوں نے بجا طور پر استدلال کیا ہے کہ انسان کو پہلے اپنے نفس کی اصلاح کا فکر کرنا چاہئے اور اسکے بعد دوسروں کو نصیحت کرنے کا اقدام کرنا چاہیئے۔ یوں یہ بات بھی ایک حد تک درست ہے کہ اگر انسان اپنی کمزوری پر نظر رکھتے ہوئے دوسروں کو نصیحت کرے تو اس کا یہ طریق خود اسکی اپنی اصلاح کا بھی موجب بن جاتا ہے۔ اس پہلو سے تبلیغ اور نیک وعظ دوہرا فائدہ دینے والی چیز ہے۔

۵۳ حق کو قبول کرنے کی راہ میں جو روکیں ہیں انکے مقابلہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیئے اور یہ مدد دو طریقوں سے ملتی ہے اوّل صبر اختیار کرنے سے۔ دوم صلوٰۃ پر مداومت اختیار کرنے سے۔ صبر کے معنے لغت میں یہ لکھے ہیں:- "والصبر حبس النفس علی ما یقتضیه العقل والشرع او عما یقتضیان حبسها عنه فالصبر لفظ عام" صبر نفس کو عقل و شرع

وَالصَّلٰوةِ ۚ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝

اور بیشک فروتنی اختیار کرنیوالوں کے سوا (دوسروں کیلئے) یہ امر مشکل ہے۔

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ

جو (اس بات پر) یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور (اس بات پر بھی) کہ وہ

اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ ع ۵

اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

کی مقتضیات کے مطابق کام کرنیکا پابند کرنے کو کہتے ہیں یا عقل وشریعت کی مقتضیات کے مخالف جانے سے رکنے کو کہتے ہیں پس لفظ صبر اپنے اندر بہت وسعت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے مصائب پر صبر اور نیکیوں پر مواظبت سب صبر میں داخل ہیں۔ الصلوٰۃ کے معنے دعا اور تمانا اور قلبی سوزش کے ہیں۔ ان دو طریقوں (صبر اور صلوٰۃ) سے انسان اللہ تعالیٰ کی اعانت حاصل کرسکتا ہے۔

۵۵ اِنَّهَا کی ضمیر کا مرجع استعانت ہے جو کہ وَاسْتَعِيْنُوْا میں مذکور ہے۔ معنے یہ ہونگے کہ خدا تعالیٰ سے طلب عون کرنا بھی گداز دل والوں کا کام ہے ہر شخص یہ کام نہیں کرسکتا بعض مفسرین نے اِنَّهَا کی ضمیر کا مرجع الصلوٰۃ کو قرار دیا ہے۔ چونکہ الصلوٰۃ ایک مثبت کام ہے اور یہ صبر پر بھی حاوی ہے اسلئے اسکی عظمت کیلئے ضمیر واحد مؤنث لاکر اسکی فضیلت بیان کی گئی اور بتایا گیا کہ نماز کی باقاعدہ پابندی بہت بڑی اولوالعزمی اور خشیت اللہ پر دلیل ہے۔

۵۵ الخٰشِعِيْن: خشوع اختیار کرنیوالے لوگ۔ لکھا ہے:۔

الخشوع: الضراعة واكثر ما يستعمل الخشوع فيما يوجد على الجوارح والضراعة اكثر ما تستعمل فيما يوجد في القلب (المفردات)

کہ خشوع تضرع اور زاری کو کہتے ہیں لیکن عموماً خشوع کا لفظ اس تضرع کیلئے استعمال ہوتا ہے جس کا اظہار ظاہری اعضاء سے ہوتا ہے اور ضراعة کا لفظ عربی زبان میں زیادہ تر دلی زاری کیلئے مستعمل ہوتا ہے۔"

اسمیں بتایا کہ نماز کا اثر صرف دل پر ہی نہیں ہوتا بلکہ انسان کے تمام اعضاء اور جوارح پر بھی ہوتا ہے۔

۵۶ يَظُنُّوْنَ: چونکہ ملاقاتِ الٰہیہ ہنوز پردۂ غیب میں ہے اسلئے محض اسکی طرف اشارہ کرنے کیلئے یہاں پر لفظ ظن رکھا گیا ہے ورنہ درحقیقت یہ لفظ اس جگہ یقین کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ امام راغبؒ لکھتے ہیں:۔ الظن: اسم لما يحصل عن امارة ومتى قويت ادت الى العلم ومتى ضعفت جداً لم يتجاوز حد التوهم ... فقوله۔ اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ ... من اليقين" (المفردات) کہ ظن اس کیفیت کا نام ہے جو کسی علامت اور نشان سے پیدا ہوتی ہے۔ جب یہ کیفیت پختہ ہوجائے تو اس سے علم حاصل ہوتا ہے اور جب انتہائی طور پر کمزور ہو تو وہم تک پہنچ جاتی ہے۔ قرآن مجید کی آیت الذين يظنون انهم ملاقوا ربهم میں لفظ ظن یقین کے معنوں میں وارد ہوا ہے۔

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا کمال ذکر فرمایا ہے کہ وہ توفتہ دوراں اور دنیوی ال وجاہ کی تباہی کے وقت ایمان کو نہیں چھوڑتے بلکہ گداز دلوں کے ساتھ آستانۂ الوہیت پر جھکتے ہیں۔ صبر، حوصلہ اور نیکی و نماز پر مداومت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہیں وہ اس یقین پر

جناب صدر صاحب مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی اپیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم اراکین مجالس انصار اللہ پاکستان!۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ آپ کو معلوم ہو کہ ہمارے قائد تبلیغ مولوی ابو العطاء صاحب جالندھری پرنسپل جامعۃ المبشرین نے مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی طرف سے ماہوار رسالہ الفرقان جاری کر رکھا ہے۔ یہ رسالہ تین سال سے بہترین دینی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ اسکے ذریعہ قرآنی علوم و حقائق کا اظہار ہوتا ہے۔ مخالفین اسلام کے رد میں ٹھوس مقالات شائع ہوتے ہیں۔ اس رسالہ کے جملہ مضامین فضیلت اسلام و قرآن مجید ظاہر کرتے ہیں۔ احمدیت پر کئے جانیوالے اعتراض کے بھی جواب دئے جاتے ہیں۔ الغرض یہ رسالہ ایک عمدہ اور مفید رسالہ ہے۔ تمام مجالس انصار اللہ کو اپنے اپنے حلقہ میں اسکی توسیع اشاعت کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ ہر مستطیع فرد جماعت کو اس رسالہ کا خریدار بننا چاہیئے بلکہ مالی طاقت رکھنے والے دوستوں کو چاہیئے کہ بطور تحفہ اپنے دوسرے احباب کے نام بھی رسالہ جاری کرائیں یہ ہم خرما و ہم ثواب کا موقع ہے۔ امید ہے کہ مجالس انصار اللہ خاص طور پر اس اپیل پر توجہ فرمائیں گی۔

(مرزا) عزیز احمد (ایم۔ اے)
صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ

قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا پیغام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ رسالہ الفرقان علمی اور دینی طور پر ایک نہایت ہی قابل قدر خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ اس رسالہ کا موضوع قرآن مجید ہے اسلئے اسکے عمومی مضامین قرآن مجید کے حقائق و معارف سے ہی متعلق ہوتے ہیں مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی رائے میں ہر مجلس انصار اللہ میں اس رسالہ کا پہنچنا مناسب اور ضروری ہے۔ جملہ جماعتہائے انصار اللہ کو تحریک کی جاتی ہے کہ وہ اس رسالہ کی خریداری منظور کر کے مبلغ پانچ روپے سالانہ چندہ مینیجر الفرقان ربوہ کے نام بھجوا دیں۔ اُمید ہے کہ آپ ضرور اس قیمتی رسالہ سے فائدہ اٹھائیں گے اور انصار اللہ میں اس کی توسیع اشاعت کے لئے پوری پوری توجہ فرماویں گے۔ انصار اللہ کی ماہانہ رپورٹوں میں رسالہ الفرقان کی توسیع اشاعت کا بھی ذکر ہونا ضروری ہے۔

اس رسالہ کی ادارت اور انتظامی ذمہ داری مولانا ابو العطاء صاحب فاضل جالندھری پر ہے جو مجلس مرکزیہ انصار اللہ کے قائد تبلیغ ہیں۔ تمام دوست اس کار خیر میں ان کے ساتھ پورا پورا تعاون فرمائیں۔

عبدالرحیم درد
قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ

حضرت مسیح علیہ السلام کی تین تصویریں

عیسائیوں کے عقیدۂ کفارہ کے بطلان پر تازہ ترین نا قابل تردید ثبوت

(۱)

(۳)

(۲)

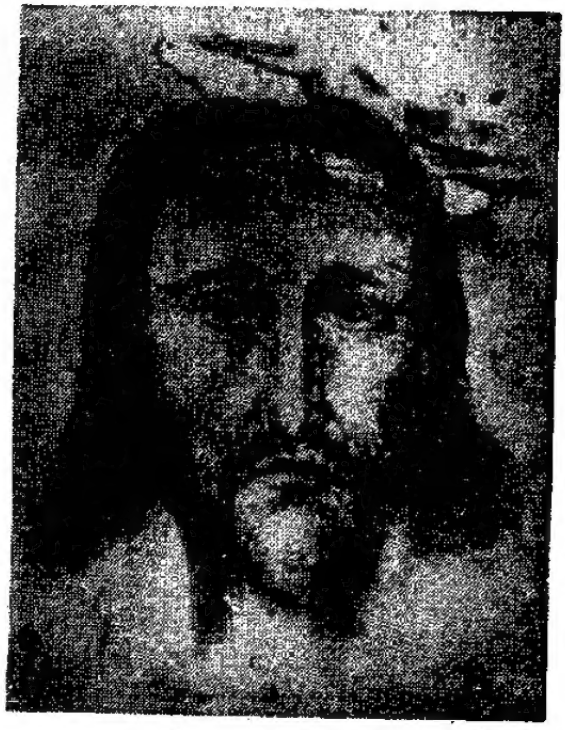

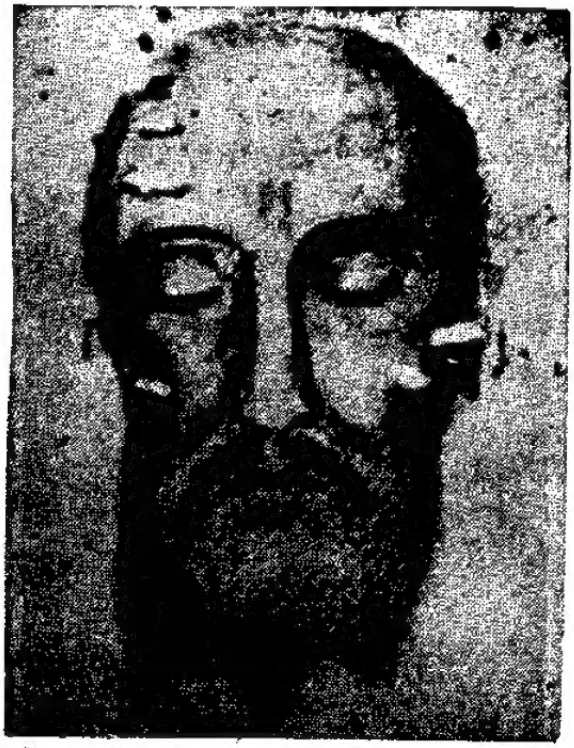

ٹائیٹل پیج صفحہ نمبر ۲ پر مضمون ملاحظہ فرمائیں